ماہنامہ

المرشد

لاہور جنوری

مارچ

2003ء

اللہ

رسول

محمد

قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

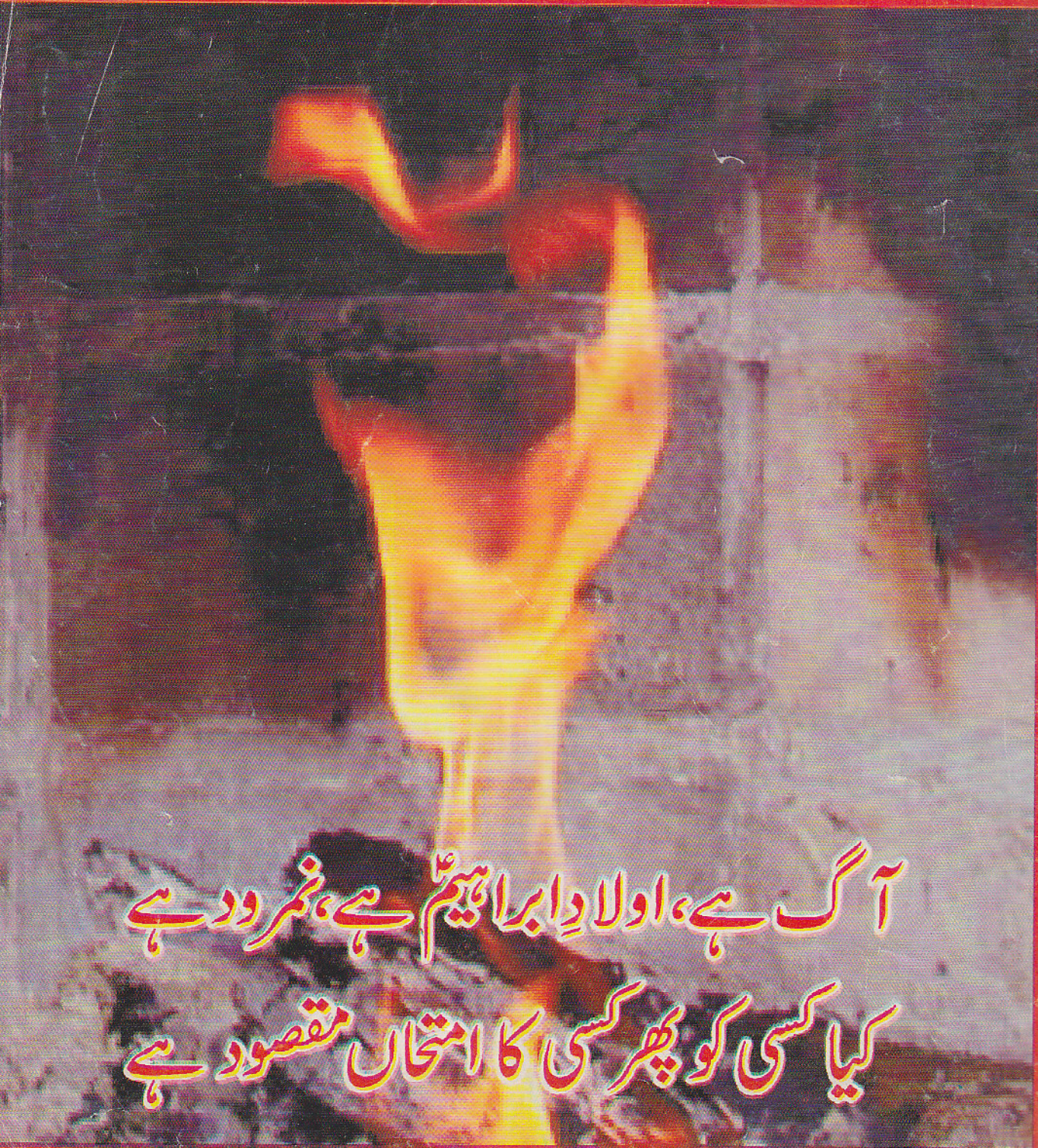

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

ماہنامہ المُرشد لاہور

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مارچ 2003ء / محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

جلد نمبر 24 ✻ شمارہ نمبر 8

مدیر —— چودھری محمد اسلم

مجلس ادارت

اعجاز احمد اعجاز ✻ سرفراز حسین

سرکولیشن منیجر : رانا جاوید احمد

کمپیوٹرائزڈ لے آؤٹ

عبدالحمید، رانا شوکت حیات، محمد ندیم اختر

قیمت فی شمارہ 25 روپے

LRL # 41

اس شمارے میں

1- کیا پھر کسی کو کسی کا امتحان مقصود ہے (اداریہ) محمد اسلم		3
2- تلبیس ابلیس	ابوالاحمدین	4
3- نفاذِ قرآن وسنت	امیر محمد اکرم اعوان	10
4- کلامِ شیخ	سیماب اویسی	19
5- تصوف وسلوک کا حاصل	امیر محمد اکرم اعوان	20
6- تجلیاتِ شیخ	سید عبدالودود شاہ	31
7- غیر اسلامی رسومات اور ہم	امیر محمد اکرم اعوان	45
8- ۷۳ء کا آئین تقریباً اسی فیصد غیر اسلامی ہے۔	چوہدری رحمت علی	52
9- من الظلمٰت الی النور	اللہ دتہ اویسی	62

بدل اشتراک	سالانہ
پاکستان	250 روپے
بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	700 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ - یورپ	30 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	50 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	50 امریکن ڈالر

انتخاب جدید پریس — لاہور 042-6314365

ناشر - پروفیسر عبدالرزاق

رابطہ آفس = ماہنامہ المُرشد اے - ٹی - ایم - بلڈنگ پل کوریاں، سمندری روڈ، فیصل آباد - فون 041-668819

E.Mail : info@alikhwan.org.pk

Web Site : www.alikhwan.org.pk

ہیڈ آفس = ماہنامہ المُرشد، اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور - فون 042-5182727

اسرار التنزیل

امیر محمد اکرم اعوان

برکات نبوت

ایک تو سنتِ اللہ ہے کہ جہاں عذاب نازل فرمانا ہو وہاں سے انبیاء کو نکال لیا جاتا ہے دوسرے آپؐ کے وجود باجود کی برکات بھی کمال درجہ کی ہیں کہ جہاں آپؐ تشریف رکھتے ہیں وہاں کفار بھی دنیا کے عذاب سے بچے ہوئے ہیں اور اجتماعی ہلاکت سے محفوظ ہیں اگرچہ جزوی طور پر اپنی بدکرداری کے باعث متاثر ہوتے ہیں یہی وجہ مفسرین نے نقل فرمائی ہے کہ جب آپؐ کی نبوت ہمہ گیر سب جہانوں اور زمانوں کے لئے ہے تو گویا آپؐ ہر آن تشریف رکھتے ہیں لہذا پوری انسانیت اجتماعی عذاب سے بچ گئی اور بعثت سے قیام قیامت تک پہلی قوموں کی طرح کے اجتماعی عذاب سے انسانیت محفوظ ہوگئی اگر آپؐ کے انوارات دل اور لطائف صدری میں ہوں تو گناہ سے حفاظت کا سبب بنتے ہیں کہ گناہ بھی تو عذاب کی ایک صورت ہے جو آپؐ کی موجودگی میں اللہ تعالی نازل نہیں فرماتے ۔ دوسری وجہ ان لوگوں کا استغفار ہے جو افلاس اور کمزوری کے باعث شہر چھوڑ نہیں سکے اور مکرمہ مکرمہ میں ہی اللہ اللہ کر رہے ہیں ۔ نیز کفار بھی طواف کرتے تو غفرانک غفرانک کہتے تھے اور علماء نے لکھا ہے کہ کافر کی نیکی بھی دنیا میں ضرور پھل دیتی ہے اگرچہ آخرت میں اس کی کوئی قیمت نہیں ۔ بہرحال آپ کا وجودِ مبارک جہاں ہو یا آپؐ کی برکات وانوارات تو یہ مانع عذاب ہیں اور آپ ﷺ کا ہونا یعنی روضہ اطہر میں زندہ ہونا اور آپؐ کی رسالت تو قیامت تک قائم ہیں یہ بحث کہ روضہ اطہر میں زندگی کیسی ہے یہاں درست نہیں بہرحال عالم کے اعتبار سے حیات برزخی ہے کہ آپؐ برزخ میں تشریف فرما ہیں اور زندہ ہونے کے اعتبار سے دنیاوی اور جسمانی حیات ہے بلکہ دنیا کی نسبت قوی تر ہے بہرحال استفادہ بھی تا قیامت کیا جاسکتا ہے اور عمومی فیض بھی ساری کائنات کو حاصل ہو رہا ہے ۔

اداریہ
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

ملائیشیا کے وزیراعظم مہاتیر محمد نے غیر وابستہ ممالک کی تحریک ''نام'' (NAM) کے زیر اہتمام کانفرنس سے خطاب میں امریکہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''کسی ملک کو دنیا پر پولیس گردی کرنے اور یہ فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہئے کہ وہ کسی ملک کے خلاف کب اور کیسے ایکشن لے۔'' انہوں نے مزید کہا ''امریکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ نہیں کر رہا، بلکہ مغرب کے وحشی قاتل دنیا پر تسلط چاہتے ہیں۔''

مہاتیر محمد نے درست کہا ہے کہ مغرب دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کو زیر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ ہر اس موقع کی تلاش میں ہے جسے بنیاد بنا کر مسلمانوں کو کچلا جا سکے۔ افغانستان میں اگر کوئی لڑائی جھگڑے کا معمولی واقعہ بھی ہو جائے تو امریکہ کے طیارے وہاں بمباری کر کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو سینکڑوں کی تعداد میں ہلاک کر دیتے ہیں۔ فلپائن میں حریت پسند مسلمانوں کو کچلنے کے لئے امریکہ بھرپور مدد کر رہا ہے اور مسلمانوں کیخلاف جدید ترین فوجی ساز و سامان اور تباہی پھیلانے والے ہتھیار فراہم کئے جا رہے ہیں۔ فلسطین میں آئے روز درجنوں نہتے مسلمانوں کو موت کی وادی میں دھکیل کر ظلم و ستم کی داستانیں رقم کی جا رہی ہیں۔ غرض دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں کو دبایا اور رسوا کیا جا رہا ہے۔

دنیا کے تمام مسلمان اس وقت پریشان ہیں کہ ایک تو وہ مظلوم ہیں دوسری جانب ''مغرب'' انہیں انسانیت کے لئے خطرہ قرار دیتے ہوئے، دہشت گرد، انتہا پسند، وحشی اور نہ جانے کیا کیا خطاب دے رہا ہے۔ مغربی نیوز چینلز اور اخبارات دن رات مسلمانوں کے بارے طرح طرح کے افسانے بنا کر اپنے عوام کو گمراہ اور متنفر کر رہے ہیں۔ آئے دن مسلمانوں کی گرفتاریاں ہو رہی ہیں اور ان بے گناہوں کو القاعدہ کا رکن قرار دے کر اذیت ناک سزائیں دی جا رہی ہیں۔

دنیا بھر میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کو دیکھتے ہوئے مہاتیر محمد نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو متحد و منظم ہونے پر جو زور دیا ہے وہ اصل میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل کی آواز ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ دور میں مسلمان منتشر رہ کر ظاہری طاقت کے سامنے دبے ہوئے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ غیر مسلم طاقتوں کے ایماء پر ایک مسلمان ملک دوسرے مسلمان ملک کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ مغربی طاقتیں مسلمان حکمرانوں کو دباؤ میں لا کر دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ لیکن مغرب یہ نہ بھولے کہ اس کے ظلم نے عالم اسلام میں بیداری پیدا کر دی ہے اور مسلمانوں میں اس وقت مغرب کے خلاف نفرت عروج پر پہنچ چکی ہے۔ لہٰذا امریکہ کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے صبر کا مزید امتحان نہ لے۔ علامہ اقبالؒ نے شاید ایسے ہی حالات کے حوالے سے کہا تھا۔

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

تلبیس ابلیس

ترتیب وتصنیف:۔ ابوالاحمدین

مولوی سلیمان کا سلسلہ عالیہ سے اخراج 1978ء کا ایک اہم واقعہ تھا لیکن جلد ہی اس کی بازگشت ایام رفتہ کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہوگئی۔ حیات طیبہ میں بھی اس کا تذکرہ نظر انداز کیا جاسکتا تھا لیکن اس واقعہ کے پیرائے میں تلبیس ابلیس کی ایسی چالیں نظر آتی ہیں جو تاریخ تصوف میں شیطان کا موثر ترین ہتھیار ثابت ہوئیں اور کئی صاحب منصب ومنازل ان کا شکار ہوئے۔ ممکن ہے اس کا تذکرہ راہ سلوک کے مسافروں کے لئے بروقت تنبیہ کا ذریعہ ثابت ہو۔ یہی اس باب کا مدعائے تحریر بھی ہے۔

مولوی سلیمان کا شمار حضرت جیؒ کے ابتدائی شاگردوں میں ہوتا تھا۔ اگرچہ 1955ء سے مراسم تھے لیکن عرصہ دراز تک وہ آپؒ کو صرف ایک عالم اور مناظر ہی سمجھتے رہے۔ 1959ء میں حضرت جیؒ ایک مناظرے کے سلسلے میں بلکسر (چکوال) تشریف لے گئے تو وہ حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت آپؒ مراقبہ کی حالت میں تھے۔ نگاہ اٹھائی تو مولوی سلیمان نگاہ پر جلال کی تاب نہ لا سکے۔ حضرت جیؒ نے ان کا ہاتھ تھام کر فرمایا۔

"آ گئے ہو باہر چلو"۔

حضرت جیؒ نے گاؤں سے باہر کھلی فضا میں لطائف کرائے اور ذکر جاری رکھنے کی تلقین فرمائی۔ خصوصی توجہ سے نوازا تو انتہائی قلیل مدت میں اعلیٰ مدارج سلوک بھی نصیب ہوئے۔

1961ء میں چکوال کو سلسلہ عالیہ کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی تو یہ مولوی سلیمان ہی کی مسجد تھی۔ اپریل 1964ء میں حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی کی توثیق سے چار صاحب مجاز مقرر ہوئے تو مولوی سلیمان ان میں سے ایک تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری سے قبل مولوی صاحب کی خدمت میں حاضری اور ان سے ابتدائی تربیت حال کرنا مقدم سمجھا جانے لگا۔

مولوی سلیمان پر حضرت جیؒ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ حج ثانی کے موقع پر باصرار ساتھ لے گئے اور مالی معاونت بھی فرمائی۔ آپؒ نے حضرت امیر المکرم کے نام ایک مکتوب میں ہدایت فرمائی کہ آپؒ کی ذاتی رقم میں سے مولوی صاحب کو ایک ہزار روپے فراہم کئے جائیں اور اس خصوصی اہتمام کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حج پر نہ جانے کی صورت ان کا روحانی نقصان ہو جائے گا۔

حضرت جیؒ کی مولوی سلیمان پر شفقت کا یہ عالم کہ ان کے روحانی نقصان کی فکر دامنگیر رہی۔ نہ صرف بے پایاں فیض سے نوازا بلکہ مقدور سے بڑھ کر مالی کفالت بھی فرمائی۔ قرب اتنا بخشا کہ اپنا نائب بنا دیا۔ سلسلہ عالیہ میں مولوی سلیمان کی یہ عزو جاہ اور روحانی مقامات حضرت جیؒ کی خصوصی نظر عنایت کے مرہون منت تھے لیکن افسوس کہ شیخ کی عطا کی بجائے وہ اسے ذاتی استحقاق سمجھ بیٹھے۔

سالک کی نگاہ جب شیخ کے قدموں سے اٹھ کر خود بینی میں ملوث ہو جائے اور راہ سلوک میں عطا ہونے والے انعامات کو ذاتی استحقاق سمجھنے لگے تو یہیں سے قدم بھٹکنے لگتے ہیں۔ خود بینی وخود نمائی جس روش کا نقطہ آغاز ہے اس کی انتہا "انا خیر منہ" کا دعویٰ ہے۔ ایسا شخص دعویٰ مشیخیت سے کم تر کسی مقام پر نہیں رک سکتا اور جس ہستی نے قدم قدم چلنا سکھایا۔ اسی کے مدمقابل کھڑا ہونے کی جسارت کر گزرتا ہے۔ شیطان اسے پوری طرح باور کرا دیتا ہے کہ سلسلہ عالیہ تو صرف اسی کے دم قدم سے چل رہا ہے۔ مولوی سلیمان کے طرز عمل کے پیچھے ایک عرصہ سے یہی سوچ کارفرما تھی لیکن عقیدت کی وجہ سے احباب سمجھ نہ پائے۔ گزشتہ ایک باب میں حضرت جیؒ کے ایک ریکارڈ شدہ ذکر کا نقشہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اس میں مولوی ' ' کا حضرت جیؒ کی آواز کو دباتے ہوئے اپنی آواز بلند کرنا' بار بار مداخلت' جا بجا شعر پڑھنا اور ساتھیوں کو پکار پکار کر مزید قوت سے ذکر کی تلقین کا انداز نہ صرف

آداب شیخ سے متضاد نظر آتا ہے بلکہ اس میں اپنی مشیخیت کا اظہار بھی ہے۔ مولوی سلیمان کی زبان سے بارہا یہ بھی سنا گیا۔

''چھوڑیں جی استاد تو سادہ ہیں۔''

یہاں مولوی سلیمان کے ان الفاظ کو من وعن اس لئے پیش کیا گیا کہ شیخ کے مقابلے میں جب بھی کسی نے اپنی عقلمندی کا اظہار کیا تو کم وبیش انہی الفاظ میں شیخ کی ''سادگی'' کا رونا رویا۔ بھول جاتے ہیں کہ شیخ کے سامنے ہمارے رذائل کھل جائیں۔ حضرت جیؒ نے ایک ساتھی کے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے خصوصی توجہ فرمائی تو ایک عمر رسیدہ خان بھی آگے بڑھا۔ آپؒ نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہاں سانپ اور بچھو بیٹھے ہوئے ہیں' ہاتھ کہاں پھیروں۔ بعد میں اس خان نے اعتراف کیا کہ وہ نامی قاتل رہ چکا تھا۔ راقم کا ذاتی تجربہ ہے کہ حضرت جیؒ کی خدمت میں جب بھی کوئی معاملہ پیش کیا اور آپؒ متوجہ ہوئے تو جلال کے سامنے خود کو تحلیل ہوتے ہوئے پایا۔ کانوں کی لو سے حرارت نکلتی ہوئی محسوس ہوتی۔ آپؒ فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے اور پوری بات کہنے کی ضرورت پیش آتی نہ حوصلہ کر پاتے۔ اس ہستی کی بات کو سادگی پر مبنی قرار دے کر نظر انداز کرنے کی جسارت اسی صورت ممکن تھی جب شیخ کے ساتھ عقیدت واحترام میں کمی آجائے۔

شیخ کے ساتھ خلوص میں کمی آئی تو مولوی سلیمان کی وفاداریاں تبدیل ہونے لگیں۔ لاہور میں اپنے ایک سابقہ استاد کے پیر خانہ میں حاضری شروع کر دی اور حیلے بہانوں سے احباب سلسلہ عالیہ کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دینے لگے۔ ساتھی احتراماً چلے جاتے کہ مولوی صاحب کے استاد ہیں اگرچہ متاثر نہ ہوئے۔ مولوی سلیمان نے سلسلہ عالیہ کے شعبہ نشرواشاعت سے ان صاحب کی ایک کتاب بھی شائع کرادی لیکن حضرت جیؒ کی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی نہ کتاب کی اشاعت کے بعد آپؒ کو اس کی خبر دی۔ کتاب کی تقسیم کے لئے

سالک کی نگاہ جب شیخ کے قدموں سے اٹھ کر خود بینی میں ملوث ہو جائے اور راہ سلوک میں عطا ہونے والے انعامات کو ذاتی استحقاق سمجھنے لگے تو یہیں سے قدم بھٹکنے لگتے ہیں۔ خود بینی و خود نمائی جس روش کا نقطہ آغاز ہے۔

درپردہ ذرائع استعمال ہوئے لیکن حضرت جیؒ اور عام احباب سلسلہ عالیہ سے مکمل اخفا برتا گیا۔ ایک مرتبہ چکوال میں ان کے ہاں مذکورہ کتاب کی ترسیل کا تذکرہ چل رہا تھا لیکن جب کتاب کے متعلق پوچھا گیا تو خاموشی چھا گئی۔

سلاسل تصوف کا اپنے اپنے مشائخ عظام کی تعلیمات کے مطابق اپنا اپنا طریقہ تربیت ہے جس کی وجہ سے ہر سلسلہ تصوف دوسرے سے منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ سلسلہ نقشبندیہ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ ذکر خفی جو دیگر سلاسل میں منتہی درجہ کی حیثیت رکھتا ہے' اس سلسلہ میں تربیت کا نقطہ آغاز ہے۔ حضرت جیؒ نے بھی احباب کی تربیت فرماتے ہوئے ذکر خفی کو ہمیشہ مبتدی سبق قرار دیا جبکہ دیگر سلاسل میں عمومی طریقہ تربیت ذکر لسانی ہے تاکہ عوام الناس کے لئے سہل ہو۔ مولوی سلیمان نے حضرت جیؒ کی اجازت کے بغیر اجتماعی معمولات میں ذکر خفی سے قبل ذکر لسانی کو رواج دیا البتہ حضرت جیؒ کی موجودگی میں صرف ذکر خفی ہوتا۔ سلسلہ عالیہ میں مراقبات کا شعبہ بھی مولوی سلیمان کی دستبرد سے محفوظ نہ رہا۔ یہاں انہوں نے مراقبہ استحضار وضع کیا جو صرف چند احباب کے لئے مختص تھا۔

مولوی سلیمان کو یہ استحقاق کس طرح پہنچا کہ شیخ کی اجازت کے بغیر اس قدر اہم فیصلے کرنے لگے۔ حضرت جیؒ کا اپنا طریق تو یہ تھا کہ زمانہ قدیم سے مراقبہ عبودیت میں آیت سجدہ تلاوت کی جاتی تھی لیکن آپؒ نے اس کی جگہ ''النجم والشجر یسجدان'' کی تلاوت مشائخ کی توثیق کے ساتھ شروع کی۔ اس کے برعکس مولوی سلیمان نے حضرت جیؒ کی اجازت کے بغیر طریقہ ذکر اور مراقبات میں بنیادی تبدیلیاں اس اہتمام کے ساتھ کیں کہ شیخ کو خبر نہ ہونے پائے۔ چونکہ ان تبدیلیوں کے تانے بانے ان کے سابقہ استاد سے جا ملتے تھے' کیا اس کا مقصد یہ تو نہ تھا کہ ساتھیوں کو بھی رفتہ رفتہ اس منزل تک پہنچا دیا جائے جہاں مولوی سلیمان خود پہنچ چکے تھے۔ یہ صورتحال صرف حضرت جیؒ کے خلاف ہی نہیں' سلسلہ عالیہ کے خلاف بھی ایک سازش تھی۔

مولوی سلیمان کے زیر اثر ایک طویل عرصہ تک کم وبیش تمام احباب کے معمولات متاثر

ہوئے لیکن اس عام روش کے برعکس حضرت امیر المکرّم کے علاوہ ایک صاحب اور بھی تھے جوان تبدیلیوں کو ذہنی طور پر قبول کر سکے نہ ان پر کبھی عمل پیرا ہوئے۔ جہاں تک حضرت امیر المکرّم کا معاملہ ہے ان کی ہمیشہ یہ عادت رہی کہ حضرت جیؒ کے سامنے انتہائی بے باکی سے ایک خاص اپنائیت کے ساتھ جو صرف ان ہی کا خاصہ تھا اظہار خیال کرتے لیکن جب کبھی کسی فرد سے اختلاف کا معاملہ ہوا تو ہمیشہ خاموشی اختیار کی تاکہ معاملہ ذاتیات میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ یہ حضرت جیؒ کے صاحب مجاز میجر غلام محمد تھے جنہوں نے ایک روز ہمت پا کر مولوی سلیمان کی جسارت سے پردہ اٹھایا۔ ان دنوں حضرت جیؒ کا پشاور میں قیام تھا۔ آپؒ نے مولوی سلیمان کو پشاور طلب فرمایا اور اصلاح فرمانا چاہی لیکن اس کے جواب سے مترشح ہوا کہ معاملہ اصلاح احوال سے بہت آگے نکل چکا ہے۔ اس پر حضرت جیؒ نے انتہائی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تو مکمل اعتماد کرتے ہوئے پوری جماعت تمہارے سپرد کر دی تھی لیکن تم نے یہ کیا کیا کہ اس مقدس جماعت کو کسی اور کی جھولی میں ڈالنے کی کوشش کی۔ تم تو عورتوں سے بھی آگے بڑھ گئے کہ ذرا چمک نظر آئی تو ریجھ گئے۔ مولوی سلیمان اس وقت اپنے اس طرز عمل کا کوئی جواز پیش نہ کر سکا تاہم اسے رجوع اور اصلاح کا موقع دیا گیا۔ منارہ کے سالانہ اجتماع میں ابھی کچھ روز تھے۔ خیال تھا کہ شاید اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اصلاح کی صورت پیدا ہو جائے لیکن مولوی سلیمان نے رجوع کی بجائے حضرت جیؒ کی مخالفت کا راستہ اختیار کیا اپنے تحفظ میں جوابی الزام تراشی کا راستہ جس کے لئے ایک تین سالہ پرانے زمین کے سودے کو تختہ مشق بنایا۔

حضرت جیؒ چکڑالہ کے صاحب حیثیت زمیندار تھے۔ دینی خدمات کے لئے کبھی کوئی معاوضہ قبول کیا نہ اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں کسی پابندی کو خاطر میں لائے۔ مناظرانہ دور میں آپؒ سے رہنمائی کے لئے علماء کا تانتا بندھا رہتا۔ ذکر

وفکر کی دعوت عام ہوئی تو چکڑالہ میں احباب کی آمد و رفت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا لیکن ایک عرصہ تک ان کے قیام وطعام کے اخراجات ذاتی وسائل سے پورے کئے۔ 1970ء میں احباب کی تعداد جب حد سے بڑھ گئی تو ضرورت محسوس ہونے لگی کہ اب محض زمینوں کی آمدن پر اکتفا کرنے کی بجائے دیگر اسباب بھی اختیار کئے جائیں۔ اس وقت تک حضرت امیر المکرّم شعبہ کان کنی میں قدم جما چکے تھے۔ حضرت جیؒ نے اس کاروبار میں شراکت کے لئے کچھ رقم بھجواتے ہوئے تحریر فرمایا۔

''گھریلو خرچ حد سے بڑھا ہوا ہے۔ آمدن ظاہری کوئی نہیں ہے۔ جماعت کی آمد و رفت حد سے بڑھ گئی ہے۔ خرچ ہر ماہ -/1000 کبھی -/1200 کبھی -/1300 روپے آجاتا ہے۔ باقی ضروریات بھی تو ہوتی ہیں۔ دکھ سکھ بھی لگا ہوا ہے تو اس بناء پر عرض کی کہ رقم بند نہ رہے۔ اب رہا سوال مائنوں کا۔ اگر ان میں آپ کو خدا تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے تو وہاں ہی کے لئے دی ہے۔ وہاں ہی لگا دینا۔ اگر بالفرض کامیابی کی صورت نظر نہ آئے تو پھر خود کسی اچھے کام میں لگا کر کام کریں۔ بندہ پاس آ گئی تو خرچ ہو جائے گی۔ پھر جن کی ہے ان کا قرض سر پر ہوگا۔ جو اپنی ہے اس کی تو خیر ہے اور جماعت کا بوجھ سر پر ہوگا۔ بہر حال آپ پہلی مائن میں لگا دیں یا کسی اور معقول آمدنی والے کام میں لگا دیں وہ آپ کی مرضی پر ہوگا۔ بندہ کو گھریلو خاص کر جماعت کے اخراجات کی ضرورت ہے جس کا بوجھ بندہ پر ہے۔ بہر حال میری زندگی میں یہ کام میں لگا لیں بعد میں اپنی بہنوں کو اس کی آمدنی دیتے جانا۔ اور کیا لکھوں۔''

حضرت جیؒ کی دعا حضرت امیر المکرّم کے کاروباری معاملات میں ہمیشہ شامل رہی لیکن اب مالی شراکت مزید برکت کا ذریعہ بنی۔ اللہ تعالیٰ نے مائننگ کے شعبہ میں حضرت امیر المکرّم کو خود نوازا اور اس کے ساتھ ہی حضرت جیؒ کی اضافی آمدنی کا بھی معقول ذریعہ پیدا ہو گیا۔ اس دور میں جن احباب کو چکڑالہ میں حاضری نصیب ہوئی وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت جیؒ نے کس طرح میزبانی کا حق ادا کیا۔ احباب کے لئے اپنی

لم سن بی بی آم کلثوم کے ہمراہ خود کھانا لاتے جس میں صرف دال ساگ ہی نہیں' گوشت کے علاوہ اکثر میانوالی کا مکھڈی حلوی بھی ہوتا۔

حضرت جیؒ کے ہاں احباب کی آمدورفت میں کئی گناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ حاضری پر کوئی پابندی تھی نہ کوئی دن مقرر تھا۔ احباب دور دور سے انفرادی اور اجتماعی صورت چکڑالہ آتے اور مغرب اور تہجد کے ذکر میں شرکت کے لئے رات قیام پذیر بھی ہوتے۔ الگ سے کوئی لنگر تھا نہ چندہ وغیرہ کے ذریعہ تعاون کی کوئی صورت۔ حضرت جیؒ کو ساتھیوں کے خوردونوش کا اہتمام بھی خود ہی کرنا پڑتا جس پر اٹھنے والے مصارف روزافزوں تھے۔

1975ء میں چکڑالہ کے ایک زمیندار نے مزاروں سے تنگ آکر حضرت جیؒ کو اپنی زمین فروخت کرنیکی پیش کش کی تو آپؒ نے بڑھتے ہوئے اخراجات سے عہدہ برآ ہونا تھا لیکن مزارعین نے مالکانہ حصہ ادا کرنے کی بجائے مقدمہ بازی کا راستہ اختیار کیا۔ زمین کی آمدنی کو رشوت وغیرہ پر خرچ کرتے جس کی وجہ سے مقدمات طول پکڑتے چلے گئے۔ زمینوں کی دیکھ بھال اور مقدمات کی پیروی ایک ساتھی حکیم بشیر کے سپرد تھی جس کا آپؒ نے ماہانہ مشاہرہ مقرر کر رکھا تھا۔ موقع ملنے پر یہ شخص آپؒ کی ذاتی رقوم میں بے جا تصرف سے بھی نہ چوکتا۔ ایک خط میں آپؒ نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

''باقی رقم بشیر کو میں نے دی تھی۔ تین ہزار کا یہ سودا لے کر آیا ہے وہ اب ملنی مشکل۔ میں نے خود بھی معاف کیا۔''

ایک مرتبہ مقدمات کے سلسلہ میں اس شخص کے ساتھ لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک غریب ساتھی کے ہاں کھانے پر مرغن گوشت مرغ وغیرہ نہ ملا تو بلاجھجک کہنے لگا کہ آئے تو شیخ کے مقدمہ کے لئے ہیں لیکن کھانے میں سبزی ترکاری۔ گویا شیخ کی خدمت اور وہ بھی تنخواہ دار ملازم کی حیثیت سے اس کا سلسلہ عالیہ پر احسان تھا جس کے عوض خاطر مدارت کی توقع کی جارہی

تھی۔ یہ سوچ بھی اس مرض کی علامت تھی جس میں عبادت کو ذات باری تعالیٰ پر احسان ٹھہراتے ہوئے توقع کی جاتی ہے کہ اب وہ نعوذ باللہ بندے کی چاکری شروع کر دے گا۔ حکیم بشیر اپنی خدمت کا عوضانہ وصول کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا استحقاق سمجھتا کہ نہ صرف خوب آؤ بھگت ہو بلکہ اس کی مشیخیت کو بھی تسلیم کیا جانا چاہئے۔ یہی مرض مولوی سلیمان کا بھی تھا جس کی وجہ سے دونوں خاصے قریب تھے۔ مولوی سلیمان کی زیرزمین منفی سرگرمیوں میں بھی یہ شخص پوری طرح ملوث رہا۔ مولوی سلیمان کی پشاور میں جواب طلبی ہوئی تو واپسی پر اس نے حکیم بشیر کے ساتھ مل کر حضرت جیؒ پر الزام تراشی کا لائحہ عمل اختیار کیا۔ کرنل مطلوب حسین صاحب کی 1978ء کی خودنوشت ڈائری میں اتوار 9 جولائی کی تاریخ میں مولوی سلیمان سے مندرجہ ذیل عبارت منسوب کی گئی ہے۔

''استاد المکرم دنیادار ہو گئے۔ زکوۃ اور عشر کے پیسوں سے زمین خریدی۔ اگر استاد زمین چھوڑ دیں تو ہم ان کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔''

زمین کی خرید کا معاملہ تین سالہ پرانا تھا لیکن جب زیرزمین سرگرمیوں پر گرفت ہوئی تو اسے بطور جواز کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی۔ حضرت جیؒ نے مولوی سلیمان کو سالانہ اجتماع کے موقع پر منارہ طلب فرما کر رجوع کا موقع دیا لیکن اس بدقسمت شخص نے یہ آخری موقع بھی ضائع کر دیا۔ بالآخر 10 جولائی 1978ء کو حضرت جیؒ نے مولوی سلیمان کے سلسلہ عالیہ سے اخراج کا اعلان فرما دیا۔ جب کہ اسکے دست راست حکیم بشیر کو چندروز قبل خارج کیا جا چکا تھا۔

اس وقت مولوی سلیمان حضرت جیؒ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ آپؒ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے انتہائی جلال کے عالم میں فرمایا۔

''خدا قادر ہے' تو ابھی اٹھے گا نہیں کہ قلب نہ رہے گا۔ باقی منازل تو باقی منازل رہ گئے' قلب نہ رہے گا۔ تم انہیں (ساتھیوں کو) گمراہ کرنا چاہتے تھے یہ سارے یہاں سے اٹھیں گے نہیں کہ قلب نہ رہے گا۔ تم کیا کرنا چاہتے تھے؟ یہ کوئی سیاسی جماعت ہے!''

بعد میں احباب نے مولوی سلیمان کے لئے مہلت کی درخواست کی تو حضرت جیؒ نے فرمایا کہ آپ کے اصرار پر چھ ماہ کی مہلت دیتا ہوں

لیکن یہ شخص واپس نہ آئے گا۔ چنانچہ یہی ہوا' حضرت امیر المکرم اور کرنل مطلوب اسے سمجھانے کے لئے دو مرتبہ چکوال گئے لیکن مولوی سلیمان کو رجوع کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

ایک مرتبہ حضرت جیؒ چند احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ مولوی سلیمان کا ذکر چھڑ گیا۔ آپؒ نے اس شخص کی گمراہی کے عواقب و عوامل تفصیلاً بیان فرمائے جو ایک کیسٹ کی صورت محفوظ ہو گئے۔ آپؒ نے فرمایا۔ ''صحابہ کرامؓ لسان نبوت ہیں' ان کے بعد تابعین' تبع تابعین' ان سے دائیں یا بائیں ہم جائیں تو کافر ہو جائیں۔ یہ جو دین ہمارے پاس پہنچا' جو اس سیدھی لائن سے دائیں یا بائیں ہٹے گا ہم اسے کافر کہیں گے' گمراہ۔ یہ ظاہری پہلو نبوت کا تھا چاروں نے سنبھالا' شافعی' مالکی' حنبلی' حنفی' نبوت کا جو باطنی پہلو ہے' ہمارے چار سلسلوں نے سنبھالا۔ اہل سنت والجماعت اسی کو کہتے ہیں۔ یہ چاروں سلسلے جو ہمارے ہیں' ان سے کترا کر دائیں یا بائیں نکلتا ہے ہم اس کو دیندار نہ کہیں گے۔''

اس کے بعد حضرت جیؒ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے شاگردوں میں سے تھا۔ اس نے سلسلہ طریقت کے نام سے ایک نیا سلسلہ وضع کیا اور بالآخر گمراہ ہوا۔ مرتے ہوئے وصیت کر گیا کہ نہ اسے غسل دیا جائے' نہ جنازہ پڑھا جائے' نہ پڑھ کر بخشا جائے' نہ دفن کیا جائے بلکہ مٹی کا تیل ڈال کر چارپائی سمیت جلا ڈالا جائے۔ اس کے بعد حضرت جی نے مولوی سلیمان کے وضع کردہ مراقبہ استحضار کی بات کی۔ آپؒ نے فرمایا۔

''مولوی سلیمان کراتا تھا مراقبہ استحضار۔ اس سے پوچھو یہ باپ سے سیکھا۔ یہ ہے کہاں؟ کسی صوفی نے لکھا ہے' چاروں سلسلوں میں جو گزرے ہیں۔ مراقبات کے متعلق کتابیں بھری پڑی ہیں۔ تم بتاؤ یہ کہیں کسی نے لکھا ہے' کسی نے کروایا ہے؟ یونہی خیالات ہوتے، دل پر دیکھتے رہیں تو کچھ شے تو نظر آنے لگتی ہے۔ اب، کہو استحضار کراؤ۔

بدگمانی کی روش اگر انبیا علیہم السلام تک جا پہنچے تو ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شیخ سے بدگمانی صرف گناہ ہی نہیں' قاطع فیض بھی ہے اور اگر یہ بڑھ کر مخالفت کی صورت اختیار کر لے تو ایمان بھی محفوظ نہیں رہتا۔

راہ طریقت میں سلف صالحین سے الگ راستہ متعین کرنے کی جسارت سلسلہ عالیہ سے غداری کے مترادف تھی لیکن جب اس پر گرفت ہوئی تو مولوی سلیمان نے بطور دفاع حضرت جیؒ پر الزام تراشی کی راہ اپنائی۔ حضرت جیؒ نے اس وقت تو کسی الزام کا جواب دینا مناسب نہ خیال فرمایا لیکن اس محفل میں پہلی مرتبہ ان الزامات کا جواب بھی دیا۔

''اب بات سنو' سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ابتدا سے تجارت کرتا ہوں پاکستان بننے سے پہلے میں نے یہ تجارت اشتراکی طور پر شروع کی۔ میرا اپنا مال مویشیوں کا وافر ریوڑ تھا۔ ساتھ ساتھ اکرم (حضرت امیر المکرم) نے میرا حصہ دو آنہ روپیہ 12.5% مائینوں میں رکھ دیا۔ یہ جو بتایا ہے یہ کس کو معلوم ہے کبھی مجھے سات ہزار مہینہ مل جاتا' کبھی چھ ہزار' کبھی پانچ ہزار' کبھی تین ہزار' دو ہزار سے کم کبھی نہ ملا۔ اس کے بعد اکرم میرے ساتھ تھا' میں گھر جا رہا تھا۔ اس نے زمین کا پوچھا' میں نے کہا پیسے کچھ کم ہیں اس نے کہا کتنے کم ہیں۔ میں نے کہا معلوم نہیں کتنے کم ہیں۔ اس نے 53 ہزار روپے کا چیک کاٹ کر میرے نام بھیج دیا..... دنیا میں رہتے ہیں' دنیا کے اسباب بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اکرم کوئی شے دے دیتا ہے وہ میری ملک ہو گئی۔ وہ میری مملوکہ' میں کنویں میں پھینک دوں۔ اس کے بعد وہ کتا ہے جو اس پر بات کرتا ہے۔ صحاح ستہ بھری پڑی ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جو پہلے صدقہ دے یا کوئی چیز دے دیتا ہے' پھر اس کا ذکر کرے یا اس میں عود کرے وہ کتا ہے جو قے کرنے کے بعد چاٹنا شروع کر دے۔ پہلے بھی جب پاکستان نہیں بنا' 186 بیگھ زمین خریدی' پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے۔ 186 بیگھ زمین جو میں نے خریدی اس وقت کوئی ساتھی پاس نہ تھا۔ قاضی جیؒ بھی بعد میں آئے۔ اس وقت وہ زمین میں نے خریدی کوئی چار روپے کنال' 16 روپے بیگھ' کوئی 20 روپے' اس سے زائد نہیں۔ 186 بیگھ 20 روپے بیگھ سے زائد نہیں خریدی۔ پھر اس کے بعد یہ ہوا کہ میری ساس جو حقیقی پھوپھی تھی اور اس کی دو ہی لڑکیاں تھیں تو سارا سلسلہ ہی تمام۔'' (جیسا کہ گزشتہ ایک باب میں ذکر ہوا'

پھوپھی صاحبہ نے اپنی تمام زمین حضرت جیؒ کے نام منتقل کر دی تھی)

اس محفل میں حضرت جیؒ نے اپنی تمام جائیداد کے متعلق یہ تفاصیل از خود بیان فرمائیں اگرچہ ساتھیوں نے کبھی اس بارے میں استفسار کیا نہ اس کی ضرورت محسوس کی۔ شیخ کے مباح فعل کے بارے میں شکوک وشبہات اور شیطانی وساوس کو حقیقت کا جامہ پہنچانا صرف اسی صورت ممکن ہے جب اعتماد علی الشیخ کا رشتہ مجروح ہو چکا ہو۔ بدگمانی وہ مہلک شیطانی ہتھیار ہے جو غیر مرئی طور پر اثر انداز ہوتا ہے اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کب گناہ کا مرتکب ہوا' کب رشتہ فیض سے محروم ہوا اور کب متاع ایمان گنوا بیٹھا۔ بدگمانی کے ان مہلک اثرات سے بچاؤ کی خاطر سورۃ الحجرات میں مومنین کو متنبہ فرما دیا گیا۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ' وَّلَا تَجَسَّسُوْا

ترجمہ۔ اے ایمان والوں بہت سے گمانوں سے بچا کرو' کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو۔

باہم بدگمانی کی روش گناہ ہے لیکن خوانخواستہ اگر یہ انبیاء علیہم السلام تک جا پہنچے تو ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شیخ سے بدگمانی صرف گناہ ہی نہیں' قاطع فیض بھی ہے اور اگر یہ بڑھ کر مخالفت کی صورت اختیار کر لے تو ایمان بھی محفوظ نہیں رہتا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بقول۔

اولیاء اللہ کی مخالفت کفر تو نہیں لیکن ایسے لوگوں کا خاتمہ اکثر کفر پر ہوتا ہے۔ حضرت جیؒ نے اسی تلبیس ابلیس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

''بات یہ ہے مولوی سلیمان کو گمراہ کیا اس موذی نے لالے نے۔ بھلا اس سے پوچھو جس درخت کو اللہ تعالیٰ نے پانی دیا اور دے رہا ہے' سرسبز ہے اس پر جو سینکڑوں دانے پھل کے لگے ہوئے ہیں' ہزاروں دانے' تو نے اس میں سے ایک توڑ لیا تو کیا ہوا۔ چور بھی لے جاتے ہیں' گیدڑ بھی کھا لیتے ہیں' کوے بھی کھا جاتے ہیں۔ اگر کوئی دیندار ہو تو یہ دیکھے کہ یہ جماعت کیا کر رہی ہے۔

تلبیس ابلیس کے بارے میں بطور حرف آخر حضرت جیؒ نے فرمایا۔ پہلے شریعت سے بدظن کرتا ہے۔ اگر اس میں کامیاب نہ ہو تو شیخ سے بدظن کرتا ہے۔

دین کا کام کر رہی ہے تو ہمارا ساتھ دے' ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ جو بھی جماعت دین کا کام کر رہی ہے' مسلمان کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ تعاون کرے۔ کیا ہم نے یہ بُرا کیا کہ اتنے بڑے بڑے افسروں کو' تھیٹروں' کلب گھروں اور شراب خانوں سے نکال کر مسجد میں رلا دیا۔ اگر یہ بے دین تھے تو یہ بے دین ہمارے ساتھ دیندار بنے......... مشائخ کا یہ بھی فرمان ہے کہ تھوڑی مدت کے اندر جماعت اس سے دگنی تگنی ہو جائے گی انشاء اللہ۔ زیادہ پھیل سی اور نقص جو پیدا ہو رہا ہے وہ بھی اس شخص کا درمیان میں وجود ہے۔ تین سال سے مجھے سمجھ آ رہی تھی کہ شیطان نے اس پر ڈورے ڈال دیئے۔ یہ میرے پاس آتا نہیں تھا' میرے پاس بیٹھتا تو یہ منتر اتنا نہ چلتا۔ میرے پاس نہیں آتا تھا۔''

تلبیس ابلیس کے بارے میں بطور حرف آخر حضرت جیؒ نے فرمایا۔

''پہلے شریعت سے بدظن کرتا ہے۔ اگر اس میں کامیاب نہ ہو تو شیخ سے بدظن کرتا ہے۔ اس کا پہلا حملہ ہی یہ ہے شیخ سے بدظن ہوا' گیا ختم۔ تعلق ٹوٹ جاتا ہے' یہ قلبی معاملہ ہوتا ہے۔ شیخ سے جب قلبی تعلق نہ رہا تو فیض گیا' منقطع۔''

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ اپنے حفظ وامان میں رکھے اور اپنے ان بندوں میں شامل رکھے جن پر شیطان کا بس نہیں چل سکتا۔ امین

اھمیت قلب

قرآن حکیم کو ہم جہاں سے بھی کھولیں جب بھی ہدایت بیان فرماتا ہے ہدایت کا بنیادی سبب قلب کی روشنی، دل کا نور اور دل کی اصلاح ہی کو قرار دیتا ہے اور گمراہی کا سبب دل کی تاریکی قرار دیتا ہے۔ تلاش نہیں کرنا پڑتا بلکہ کہیں سے کھولیں ہر جگہ، جہاں بھی آپ کو یہ بحث ملے کہ کون سی قوم گمراہ ہوئی اور اس کی گمراہی کے اسباب پر بحث ہوگی کہ قلوب کیوں تاریک ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر کسی کی ہدایت کی تعریف کی گئی ہوگی تو اس کا ہدایت پر قائم رہنے کا بنیادی سبب اس کے قلب کی نورانیت یا اصلاح پر ہوگا اور پھر وہ ذرائع بیان کئے جائیں جن سے قلب روشن ہوتا ہے اور یہ کسی ایک دو مقام پر نہیں بلکہ بنیادی نکتہ ہے جس پر قرآن حکیم کی ساری تعلیمات کا دارومدار ہے۔ (از کنز الطالبین)

نفاذِ قرآن و سُنت

پاکستان کیلئے جنہوں نے قیمت ادا کی۔ جو بارڈوں پہ شہید ہوئے۔ جو راستوں میں مارے گئے۔ جو گھروں میں قتل ہوئے۔ کہاں سے لوگ قربانیاں دیتے اور کہاں تک جانیں گنواتے یہاں گرتے پڑتے پہنچے۔ کتنے لوگ ہیں جن کے گھروں کے سارے سارے بچے لڑائیوں میں بارڈوں پر شہید ہو گئے۔ تو کیا یہ سارے اس لئے جانیں دیتے رہے کہ یہاں مغربی جمہوریت پھلے پھولے۔ جہاں سودی نظام پھلے پھولے۔ یہاں لوگوں کی عزتیں لوٹی جائیں۔ لوگوں کو قتل کیا جائے۔ جہاں کا نظام عدل کا فرکا بنایا ہوا ہو اور اسے ہم عدالت کہیں اور اسے عدل کہیں۔ بلکہ ان سب قربانیوں کا مقصد نفاذ قرآن و سنت تھا جسکا نفاذ ہم پر فرض عین ہے۔

امیر محمد اکرم اعوان
جامعہ اویسیہ لاہور 17-1-03

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیم o

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم o

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّ عَدْلاً o لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ o وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ o اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ o اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ o اَللّٰھُمَّ سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ مَوْلَایَا صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِ مَنْ ذَانَتْ بِہِ الْعُصُرُ o

سورۃ انعام آٹھویں پارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ تیرے رب کی بات پوری ہوئی تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ جو بات تیرا پروردگار اے نوع انسانی تم تک پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ مکمل ہوگئی۔ صِدْقًا عَدْلًا اسی کی دو صفات یقینی ہیں۔ ایک تو وہ بات ساری کی ساری صدق ہے' سچ ہے' حق ہے' اور دوسری صفت اس کی یقینی یہ ہے کہ وہ عدل ہے۔ اس میں وہ کسی کے ساتھ کسی طرح کی کوئی زیادتی نہیں۔ کسی کو اس کے معمولی حق سے بھی محروم نہیں رکھتا کسی کو اس کے حق سے زیادہ نہیں دیا گیا۔ رب العالمین ہر طرح سے مکمل عدل کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کی پوری سچائی کی اور اس کے پورے عدل ہونے کی۔ اب ایک طرف یہ بات ہے۔ کہ اس خالق کائنات نے جس نے اس کائنات کو بنایا وہ ایسا قادر ہے۔ اس نے ہر فرد کے اندر ایک کائنات بنا دی۔ اب صدیوں ٹھوکریں کھانے کے بعد اب اگر سائنس اس حقیقت کو پہنچی ہے کہ وجود کے اندر بھی کھربوں سیل ہیں جن سے مل کر یہ بنتا ہے۔ وہ کھربوں سیل جو ہیں۔ ان میں اگر اربوں نہیں تو کروڑوں روز مر جاتے ہیں۔ اور ان کی جگہ کروڑوں نئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ جو وجود انسانی چلتا ہے۔ یہ ایسا نہیں ہے۔ جس طرح آپ بچے کو بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ تو ایک یقین آتا ہے کہ اس کے وجود میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اعضاء جوارح بڑھ رہے ہیں۔ قد کاٹھ بڑھ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عقل وشعور اور فکر میں تبدیلی آ رہی ہے۔ اس طرح جوان ہونے کے بعد بھی یہ عمل جاری رہتا ہے۔ اگر وجود کی بڑھوتری رک جاتی ہے۔ تو دن بھر کے کام کاج میں ہڈیاں گھستی ہیں۔ خون جلتا ہے۔ پسینہ نکلتا ہے۔ جلد گھستی ہے ہاتھ پاؤں کام کرتے ہیں۔ دماغ کام کرتا ہے۔ اور اس میں اس کام میں جہاں اس کی طاقت خرچ ہوتی ہے۔ وہاں اس کا وجود بھی خرچ ہوتا ہے۔ کروڑوں سیل مر جاتے ہیں روزانہ اور کروڑوں ان کی جگہ نئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح روئے زمین پر کروڑوں ذی روح روز مرتے ہیں' روز پیدا ہوتے ہیں' دنیا آباد ہے۔ جس طرح نباتات میں کروڑوں درخت' کروڑوں پودے روز سوکھ جاتے ہیں۔ کروڑوں نئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ حیوانات میں کروڑوں روز مارے جاتے ہیں۔ کروڑوں روز پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح انسانی وجود کے اندر ایک وجود کے اندر ایک کائنات ہے۔ ہم اس کائنات کو نہ سمجھتے ہوئے۔ اس کے ماہرین کے

پاس جاتے ہیں۔ جنہیں ہم طبیب یا ڈاکٹر کہتے ہیں۔ وجود میرا ہے مجھے اس کا ذمہ دار ہونا چاہئے تھا۔ اس کی کمی بیشی مجھے سمجھنی چاہئے تھی۔ لیکن وہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ ڈاکٹر بتاتا ہے کہ فلاں چیز کی کمی ہے۔ یا فلاں کی زیادتی ہے اس کے لئے فلاں خوراک چاہئے۔ یا فلاں دوا چاہئے۔ ہم اس پہ عمل کرتے ہیں۔ بعض اوقات وہ آپریشن تجویز کرتے ہیں۔ بعض اوقات کہتے ہیں کہ یہ عضو ناکارہ ہو گیا۔ اسے کاٹ دیا جائے۔ ہم ہاتھ پاؤں کٹوا دیتے ہیں۔ کیوں؟ ہمیں بھروسہ ہوتا ہے کہ یہ ہم سے بہتر جانتا ہے' اسی طرح اللہ رب العالمین نے اس نظام عالم کیلئے بھی اپنے ارشادات عطا فرمائے۔ جو پوری زندگی میں اور ہر شعبہ زندگی میں راہنما اصول ہے' راہنمائی کرتے ہیں۔ جس طرح طبیب کے کہنے پر زندگی بڑھے نا بڑھے آدمی اس کا جو وقت ہے۔ آسائش سے گزار سکتا ہے تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ جو طبیب اس کے ہیں کتاب اللہ کے ہیں اس کے بارے میں بھی فرمایا فسئلو اَھلَ الذِکر اِن کُنتُم لا تعلمُون اگر تم اس کتاب کے علم سے واقف نہیں ہو۔ اگر تم نہیں سمجھ سکتے تو جو جاننے والے' جو اہل ذکر ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی کتاب بستی ہے۔ جن کے سینوں میں یہ کتاب بستی ہے۔ جن کے دلوں میں اس کی یاد کا بسیرا ہے۔ ان سے پوچھو کہ ہمیں کتاب اللہ پر عمل کیسے کرنا ہے۔ کونسا کام ہمیں کس طرح کرنا ہے۔ حکیم' ڈاکٹر کے بتانے سے آپ کی دنیوی صحت اور دنیوی زندگی میں تکالیف کم ہو گی۔

لیکن طبیب روحانی یا ماہر کتاب اللہ سے پوچھنے سے نہ صرف دنیا سدھرے گی۔ بلکہ دنیا اور آخرت دونوں سدھریں گی۔ ایک فرق ہے کہ طبیب اور ڈاکٹر صرف اس وجود کو جانتا ہے۔ لیکن کتاب اللہ جب ارشاد فرماتی ہے۔ تو ایسے علاج تجویز فرماتی ہے۔ جو باطن کیلئے بھی انتہائی مفید ہیں اور روح کیلئے بھی وہی ضابطہ حیات

قرب الٰہی میں اور اطاعت الٰہی میں جو بظاہر تکالیف ہوتی ہیں۔ وہ بھی راحت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ان میں بھی لذت ہوتی ہے

ہے' انہی سے روح بھی تسکین پاتی ہے۔ تو یہ زیادہ قیمتی شعبہ ہے کہ دنیوی زندگی آسائش اور پُرسکون ہو تکلیف یا دکھ اسے کہتے ہیں۔ جو محسوس ہوتا ہے۔ قرب الٰہی میں اور اطاعت الٰہی میں جو بظاہر تکالیف ہوتی ہیں۔ وہ بھی راحت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ان میں بھی لذت ہوتی ہے۔ ایک ذائقہ ہوتا ہے انسان کے منہ میں' انسان کی زبان میں' حلق سے جو چیز نیچے اتر جائے اس کا کوئی ذائقہ نہیں ہے۔ اور بعض لوگوں کو ایک بیماری ہوتی ہے کہ ان کی زبان سے قوت ذائقہ ختم ہو جاتی ہے۔ انہیں آپ میٹھا کھلائیں یا کڑوا' انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو حلق سے نیچے کے ذائقہ کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور زبان سے قوت ذائقہ ختم ہو گی تو وہ بوسہ کھا رہے ہیں یا اچھا کھانا کھا رہے ہیں۔ انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہیں کڑوی چیز دے دیں یا میٹھی۔ اسی طرح قوت ذائقہ سلامت ہو یعنی نور ایمان ہو۔ تو بعض چیزیں بظاہر تلخ ہوتی ہیں۔ موت کتنی تلخ حقیقت ہے۔ پھر سر میدان گولیوں سے چھلنی ہونا' آگ میں جل جانا' تلوار سے جسم کے پرخچے اڑ جانا۔ کتنا تلخ تجربہ ہے۔

لیکن حدیث شریف میں وارد ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میدان حشر میں شہید سے ایک سوال کیا جائے گا۔ کہ تمہاری اپنی خواہش کیا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ اللہ کے بے شمار انعامات تو ہیں' اللہ کی جنت ہے' اللہ کی بخشش ہے' اللہ کا قرب ہے' سب سے بڑا انعام جمال باری ہے۔ اور سب سے بڑا انعام خطاب الٰہی ہے۔ جو تمہیں نصیب ہو رہا ہے۔ تم سے رب العالمین کلام فرما رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اگر کوئی تمہاری خواہش ہو تو بتاؤ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ عرض کریں گے۔ بار الٰہی! وہی عالم ہو' وہی دنیا ہو' وہی ہمارا وجود ہو' وہی میدان کارزار ہو۔ اسی طرح سے تلواریں چلیں' اسی طرح سے گردن کٹے' اور جو مزہ اس وقت جان دینے میں آیا تھا' وہ ایک بار پھر نصیب ہو جائے۔ بظاہر یہ کتنا تلخ کام ہے۔ لیکن انہیں اس میں وہ لطف آ رہا ہے۔ وہ بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہوتے پھر آرزو کر رہے ہیں کہ اسی تجربے سے ایک بار پھر گزار دے جو لذت وہاں آئی تھی۔ وہ

پھر نصیب نہیں ہوئی۔ وہ عجیب لذت اس لمحے کیلئے تھی۔ تو ارشاد ہوگا کہ وہ وقت بیت چکا۔ تم اپنے حصے کا حظ اٹھا چکے۔ اب آگے کی بات کرو۔ پیچھے کی نہیں آگے کی بات کرو۔ اب دنیا پیچھے نہیں جائے گی۔ آگے جائے گی۔

اس طرح کفار مکہ نے کچھ قبائل سے ساز باز کی انہوں نے دھوکے سے کچھ صحابہ کو ساتھ لے جا کر شہید کردیا' کچھ کو گرفتار کر لیا' اور گرفتار شدگان وہ تھے جن کے ہاتھوں اہل مکہ کے عزیز واقارب بدر میں قتل ہوئے تھے۔ انہوں نے انتقاماً خرید لے جن میں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جن کے ہاتھوں نامور لوگ مارے گئے تھے۔ ان کے قبیلے نے خرید لئے۔ اور عجیب بات ہے کہ حرمت کے مہینوں کا احترام کرنے کا رواج اہل مکہ میں بھی تھا۔ تو انہوں نے انہیں تین مہینے قید رکھا کہ حرمت کے مہینوں کے بعد انہیں شہید کریں گے۔ بے شمار واقعات ان کی قید کے دوران بھی سیرت میں ملتے ہیں لیکن آخری واقعہ' میں بات کو لمبا نہیں کرنا چاہتا' اپنی بات کرنا چاہتا ہوں کہ وہ جب حرمت کے دن گزر گئے اور انہیں سزا کیلئے' قتل کیلئے قتل گاہ میں لایا گیا تو فیصلہ یہ ہوا کہ انہیں سولی پہ بھی لٹکایا جائے' ان پر تیر بھی برسائے جائیں' اور ان کو نیزوں سے بھی چھلنی کیا جائے' یعنی جو طریقہ ان کی شہادت کا طے ہوا وہ یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ اذیت کس طرح دی جا سکتی ہے۔ سولی گاڑ دی گئی اور طے یہ ہوا اہل مکہ میں کہ ان کو سولی پہ لٹکا دیا جائے۔ اس کے بعد ان پر تیر برسائے جائیں۔ اس کے بعد نیزوں والے نیزے پھینکیں اور ان کے وجود کو چھلنی کیا جائے۔ اب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی کوئی آخری خواہش ۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں دو رکعت نفل ادا کر لوں دنیا سے جاتے ہوئے۔ اور چونکہ تین مہینے قید رہے تھے ان کے ہاں اور بڑی لمبی نمازیں پڑھتے تھے۔ تو دوگانہ قتل سے پہلے لوگ اب بھی پڑھتے ہیں۔ وہ انہیں کی بنیاد ڈالی ہوئی ہے۔ حضرت خبیبؓ تعالیٰ نے نہایت مختصر دو رکعت ادا کئے حتیٰ کہ خود قاتل حیران رہ گئے۔

> آپؓ نے نگاہ دوڑائی انسانوں کا سمندر' اہل مکہ سارے جمع ہیں۔ سب کو دیکھا اور پھر دعا کی کہ بار الٰہی! تو قادر ہے ہوا کو حکم دے میرا سلام آپ ﷺ کے حضور پہنچا دے

وہ سمجھ رہے ہیں کہ اب یہ کچھ لمحے' کچھ سانسیں بچانے کیلئے' یہ تو پہلے بھی لمبی نمازیں پڑھتا ہے۔ اب شاید سارا دن نماز میں گزار دے گا۔ تو وہ حیران ہوئے۔ تو انہوں نے کہا کہ تم نے بڑی جلدی ختم کر دی۔ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہاری اس سزا سے ڈر کر سجدے طویل کر رہا ہوں۔ جی تو چاہتا تھا کہ وہی لذت سجود کی حاصل کروں اور وہی طویل سجدے کروں۔ لیکن اس بات کا خیال کر رہا تھا کہ کہیں تم یہ نہ سوچو کہ تمہاری سزا کے ڈر سے میں نے نماز لمبی کر دی۔ اب گردن میں انہوں نے رسہ ڈال دیا۔ تختے پہ کھڑا کر دیا تو مختلف جن کے لوگ ان کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ ان کے عزیز واقارب مل کر رسہ کھینچیں گے۔ آپؓ نے نگاہ دوڑائی انسانوں کا سمندر' اہل مکہ سارے جمع ہیں۔ سب کو دیکھا اور پھر دعا کی کہ بار الٰہی ان میں کوئی ایسا بندہ نہیں جو میری خبر میرے آقا ﷺ تک پہنچا دے گا۔ تو قادر ہے ہوا کو حکم دے۔ میرا سلام تو آپ ﷺ کے حضور پہنچا دے۔ تو قادر ہے اور تیری تو ساری مخلوق ہے۔ اب یہاں سوائے ہوا کے کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ تو ہوا کو حکم دے۔ میرا سلام آپ ﷺ کے حضور پہنچا دے۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے۔ اور آپ وضو فرما رہے تھے۔ اور خادم پانی ڈال رہا تھا۔ اور حضور ﷺ وضو فرما رہے تھے۔ تو دفعتاً آپ ﷺ نے فرمایا وَعَلَیکَ السلام وَرَحمتہ اللہ وَبَرَکاتہ ' ۔ خادم حیران ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کسی نے سلام کہا تو نہیں۔ آپ ﷺ جواب ارشاد فرما رہے ہیں۔ فرمایا خبیبؓ کا مکہ سے ہوا سلام لائی ہے۔ اب بظاہر دیکھا جائے تو یوں سمجھ آتی ہے کہ ایذا کی حد ہوگئی۔ لیکن اس بندے کو دیکھا جائے۔ تو وہ اپنی لذتوں کے کام پر ہے۔ اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے۔ دوگانہ پڑھ رہا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کر رہا ہے کہ یہ ساری نعمت آپ ﷺ کے طفیل نصیب ہے۔ یہ آپ ﷺ کا کرم ہے کہ یہ لذتیں مجھے نصیب ہوئیں تو لذت یا تکلیف اس اعتبار سے

ہوتی ہے۔ جیسے کوئی محسوس کرتا ہے۔ اگر اطاعت الٰہی کو شعار بنالیا جائے اور زندگی کا نصاب احکام الٰہی کے مطابق ہو جائے تو بظاہر نظر آنے والی تکالیف میں بھی ایک لذت ہوتی ہے۔ کوئی دکھ دنیا میں نہیں رہتا۔ اور دکھوں میں بھی بظاہر دکھ ہوتے ہیں ۔ ان میں بھی طرح طرح کی لذتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ بیماریاں آتی ہیں تکالیف آتی ہیں۔ مصیبتیں آتی ہیں۔ قتل ہونا پڑتا ہے۔ جان گوانی پڑتی ہے یہ سارے پراسس ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں ایک لذت ہوتی ہے اور اگر ان حدود سے زندگی باہر نکل جائے۔ تو دنیا کی ساری نعمتیں ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں لذت نہیں ہوتی تلخیاں ہوتی ہیں' دولت ہو تو بھی تلخی ہوتی ہے۔ حکومت واقتدار واختیار مل جائے۔ تو بھی اس میں تلخیاں ہوتی ہیں۔ محلات میں رہتا ہو تو بھی شب و روز تلخ ہو جاتے ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں کہ کتنے لوگ جو محلات میں رہتے ہیں بے شمار پہریدار باہر کھڑے ہوتے ہیں لیکن گولی نہ کھائے تو نیند نہیں آتی۔ کتنے درویش ہیں۔ جو اللہ کے بھروسے سے زمین پہ سر رکھ کر مزے کی نیند لیتے ہیں۔ تو پھر اس رئیس سے تو وہ فقیر اچھا۔ جو بغیر کسی گولی کھائے پتھر پر لیٹ کر سو گیا اس کے پاس کوئی دولت سکون کی' یا کوئی آرام کی چیز ہے۔ پھر فرمایا۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللہ کے یہ کلمات ناقابل تبدیل ہیں۔ ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ جب قرآن کریم میں نازل ہوا اور اس بستی کا ذکر آیا۔ جنہوں نے حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ تو وَاَبَوا اَن یُضَیِّفُو ھُمَا انہوں نے انکار کر دیا کہ ان کی وہ مہمان داری کرے یا انہیں کھانا دے۔ جب یہ بات عام ہوئی۔ اس بستی کے لوگوں تک پہنچی۔ تو وہ لوگ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کا ارشاد ہے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے

اگر اطاعت الٰہی کو شعار بنا لیا جائے اور زندگی کا نصاب احکام الٰہی کے مطابق ہو جائے تو بظاہر نظر آنے والی تکالیف میں بھی ایک لذت ہوتی ہے

اور یہ قیامت تک رہے گی۔ لوگ قیامت تک اسے پڑھیں گے' سمجھیں گے۔ یہ باتیں قیامت تک ہوں گی۔ تو ہمارے باپ دادا کی یہ بات کہ انہوں نے پوری بستی میں دو بندوں کو کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ ہمارے لئے بڑی باعث شرم ہے۔ آپ ہمارے حال پر رحم فرمایئے' ایک نقطے کا اضافہ فرمادیجئے کہ ب کو ت کر دیجئے ابوا ان یضیفو ھما کی جگہ فَاَتَوا اَن یضیفو ھما اگر ہو۔ تو اس کا معانی ہوگا کہ وہ اس بات پر تیار ہو گئے۔ کہ ہم آپ کی مہمان داری کرتے' آپ کو کھانا دیتے' تو یا رسول اللہ ﷺ ایک نقطے کی بات ہے۔ ابو کو اتو فرمادیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ امین ہوں' میرا کام جو وہ ارشاد فرمائے وہ پہنچانا ہے اسے تبدیل کرنا نہیں۔ کوئی نقطہ بدلنا میرے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اس کی بات ہے۔ اور لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اس کی بات میں کوئی تبدیلی نہیں۔

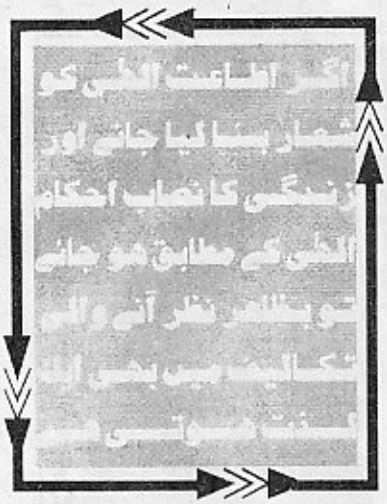

پھر فرمایا انسانی معاشرہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ بہت سے لوگ اگر ایک بات پہ جمع ہو جائیں تو وہ صحیح ہوتی ہے۔ فرمایا نہیں۔ صحیح یہ ہے۔ جو اللہ نے فرمایا خواہ اس پہ چند لوگ رہ جائیں۔ سچی اور عدل یہ بات ہے جو اللہ نے عطا کی ہے۔ خواہ اس پہ تھوڑے لوگ ہوں۔ وَاِنْ تطع اکثر مَنْ فی الارض یُضِلُّوکَ عَنْ سَبِیل اللہ۔ روئے زمین پر بسنے والی اکثریت کی اگر اطاعت کرو گے۔ تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گا۔ گمراہ کر دے گا۔ اسی لئے اِن یَتَّبِعُونَ الاالظن وَاِنْھُم اِلاَّ یَخرصُون ۔ اکثریت اوہام کی پیروی کرتی ہے اور انگل پچو سے اصول بناتے رہتے ہیں۔ اللہ نے جو ارشاد فرمائے ہیں۔ ان میں کوئی وہم یا انگل پچو نہیں۔ یہ سارے حقائق ہیں' عدل ہیں' لیکن قَلِیلٌ مِنْ عِبَادِیَ الشَّکُور ۔ بندوں میں شکر گزار بندے ہمیشہ کم ہوتے ہیں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے۔ جو محض تخمینوں پر اندازوں پہ اور انگل پچو کے اصول مقرر کر کے اس پر چلتے ہیں۔ یہ مغرب کی جمہوریت۔ یعنی جو کثرت رائے ہے مغرب کی جمہوریت وہ یہ ہے اور اسلامی نظام ہے۔ سیدھا سیدھا کتاب وسنت اس میں کوئی کمی بیشی کرنے کا کسی فرد کو اختیار نہیں ہے۔ مزے کی

بات یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنے بعد کسی کا نام مقرر فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے بعد کے لوگ اس قابل ہیں کہ وہ کسی کو منتخب کر لیں۔ وقت سفر آخری نمازوں میں ابوبکر صدیقؓ کو اپنی جگہ نماز پہ کھڑا کیا۔ اور یہی دلیل لی گئی آپؓ کی خلافت کی جب اکابرین جمع ہوئے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے عرض کیا۔ کہ جس بندے کو آپ ﷺ نے دنیا میں جلوہ افروز ہوتے ہوئے۔ اپنے سامنے اپنی جگہ جائے نماز پہ کھڑا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ دینی قیادت اس میں ہے۔ تو دنیا کی حیثیت کیا ہے؟ کہ اس کیلئے کسی اور کو قیادت دی جائے۔ جس کے پاس دین ہے دنیا اس کی خادم ہے۔ اسلامی طریقہ انتخاب اس دن طے ہو گیا۔ کہ امت کے اکابر یا مانے ہوئے یا اچھے یا دیانتدار یا ورع تقویٰ میں جو معروف ہو گئے۔ جن کا لوگ نیکی میں اتباع کرتے ہوں وہ مل کر جس کا انتخاب کریں۔ اس کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور قوم اس کی بیعت کرے۔ اب ایک مزے کی بات یہ ہے کہ ہمیں جو جمہوریت اہل مغرب نے دی ہے۔ یہ مغرب میں نہیں ہے۔ مغرب والوں نے اپنی جمہوریت کا خاکہ اسلام سے لیا۔ اگر ہو بہو نہیں تو اسلام کے قریب تر وہ فیصلے کرتے ہیں۔ آپ برطانیہ میں دیکھ لیں' امریکہ میں دیکھ لیں۔ جمہوریت کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ وہاں جو سیاسی جماعتیں ہیں وہ اپنے اندر ان کے اکابر مل کر کسی کا نام چنتے ہیں جن کو وہ سمجھدار یا اپنا معتبر سمجھتے ہیں۔ یا اپنا بڑا سمجھتے ہیں۔ وہ مل کر ایک دو یا تین بندے چنتے ہیں پوری جماعت میں سے کہ یہ اس قابل ہے۔ پھر انہیں اپنی جماعت کے سامنے پیش کر کے الیکشن کرایا جاتا ہے۔ جس کے حق میں ان کی جماعت متفق ہوتی ہے۔ پھر اس کو قوم کے سامنے پیش کر کے الیکشن لڑایا جائے۔ حتیٰ کہ میرے علم میں ہے کہ مارگریٹ تھیچر جو مسلسل تین

دفعہ برطانیہ میں وزیراعظم رہی۔ اتنی مقبولیت تھی اس کی کہ وہ وزیراعظم بنی اور مسلسل تین دفعہ وزیراعظم بنی رہی۔ یہ جو ہم نے نقل کی ہوتی ہے یونین کونسلوں کی' وہاں بھی بنیادی حکومتیں ہیں' سارے برطانیہ میں اور وہ کام کرتی ہیں۔ یہاں تو صرف مسائل پیدا کرتی ہیں۔ وہ مسائل حل کرتی ہیں۔ مارگریٹ تھیچر نے پوری کوشش کی ایک بندے کیلئے کہ اسے اس بنیادی کونسل کا رکن بنا دیا جائے اور ہر بار اسے جواب دیا گیا کہ اس بندے سے بہتر بندے ہمارے پاس ہیں۔ یہ نہیں بن سکتا۔ یعنی وزیراعظم ایک بنیادی کونسلر نہیں بنوا سکا کیونکہ وہاں فیصلہ ان کے بزرگوں کا تھا۔ امریکہ میں اسی طرح پہلے ان کی پارٹیاں منتخب کرتی ہیں۔ کہ ہماری پارٹی کا لیڈر کون ہوگا۔ پھر ان پارٹیوں کے' دونوں پارٹیوں کے' دو لیڈر عوام کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہماری طرح نہیں۔ کہ یہ نہیں اگر ساتھ ملتا تو اس کی مل بند کر دو۔ یا ملتا ہے۔ تو اسے ایک مل اور دے دو۔ خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ یہ نہیں ہوتا کہ اسی فیصد لوگوں کی رائے ہی کوئی نہ ہو۔ اور دس فیصد یا بیس فیصد لوگ رائے دیکر اکثریت بن جائے۔ یعنی کافر بھی اس بدترین صورتحال سے دوچار نہیں ہے۔ جس سے ہم کلمہ گو اہل پاکستان دوچار ہیں۔ اور پھر حیرت اس بات پہ ہوتی ہے بدقسمتی کہہ لیجئے یا ہماری بدعملی کے نتائج' سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ ہمارے کردار کے نتائج جیسے ہیں۔

کہ الحمد للہ اسی دفعہ ایک مثبت تبدیلی یہ آئی کہ لوگوں نے علماء کو اسمبلیوں میں سینٹ میں بھیجا۔ علماء اپنا پورا زور لگا رہے ہیں کہ 73ء کا آئین نافذ کر دو۔ پرویز مشرف وردی اتار دے۔ ہمیں بھی حکومت سے حصہ دیا جائے۔ یہ تین کام ہیں جس پر دینی حلقہ اپنی پوری قوت لگا رہا ہے۔ ان تینوں کاموں سے کیا اسلام نافذ ہو جائے گا؟ 73ء کا آئین فوجیوں نے معطل کیا اس سے پہلے تو موجود تھا جب 73ء کا آئین موجود تھا تو تب اسلام نافذ تھا۔ پھر بحال ہو جائے گا تو کیا ہو جائے گا؟ پرویز مشرف اگر وردی میں ہے تو اسلام کیلئے رکاوٹ ہے۔

جب وردی اتار دے گا تو کیا اسلام نافذ ہو جائے گا؟ یا علماء میں سے کوئی وزیر بن جائے گا یا کوئی گورنر بن جائے گا تو اسلام نافذ ہو جائے گا؟ ان تین کاموں کیلئے لوگوں نے ووٹ دیئے ہیں دینی جماعتوں کو، ہمیں بلکہ نفاذِ اسلام کیلئے' احیائے حق کیلئے اور میری یہ بڑی مودبانہ گزارش ہے۔ کہ اگر ناراض نہ ہوں تو جتنی قوت ان مختلف موضوعات پہ لگا رہے ہیں۔ اسے یکجا کر کے ایک موضوع پہ لگائیں۔ کہ پاکستان کا آئین قرآن وسنت ہوگا۔ حکومت کوئی کرے ہمیں اس سے غرض نہیں ہے۔ کہ مولوی حکومت کرے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں ہے کہ پرویز مشرف وردی پہنتا ہے یا اتارتا ہے۔ قرآن وسنت کا نظام آجائے۔ تو ہر ایک کو اپنی جگہ پر از خود اس کا مقام مل جائے گا۔ کس کا مقام کیا ہے؟ اور کس کو کہاں کھڑا ہونا ہے۔ تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ کہ جو بزرگ جو ہمارے اہل علم کیونکہ ممبر اور چیمبر میں بڑا فاصلہ ہے۔ اب آپ ممبر سے چیمبر تک پہنچ گئے ہیں جب وہ چیمبر میں بات کرتے ہیں ۔ پوری دنیا کے اس طبقے تک جاتی ہے۔ مختلف ممالک میں ارباب واختیار واقتدار ہیں۔ اس کی الگ قیمت ہوتی ہے تو اگر ہماری آواز وہاں سے بھی ان منتشر اور مختلف چیزوں میں کھوگئی۔ تو ہمیں کیا حاصل ہوگا۔ لہذا میری تو مودبانہ گزارش یہ ہے کہ علماء حضرات ہمت کریں اللہ انہیں توفیق دے اور ایک نکتے پر کھڑے ہو جائیں۔ کہ جناب یہاں نظام قرآن وسنت کا ہوگا۔ پاکستان کیلئے جنہوں نے قیمت ادا کی۔ کیا ان لوگوں نے فوجی حکومت کیلئے جانیں دی تھیں جو بارڈروں پہ شہید ہوئے' جو راستوں میں مارے گئے، جو گھروں میں قتل ہوئے، کہاں سے لوگ قربانیاں دیتے اور کہاں تک جانیں گنواتے یہاں گرتے پڑتے پہنچے، کتنے لوگ ہیں؟ جن کے گھروں کے سارے سارے بچے لڑائیوں میں اور بارڈوں پر شہید ہو گئے۔ یہ جو ہم تحفظ کرتے رہے۔ ہمارے خاندان کے لوگ کتنے

پاکستان کا آئین قرآن وسنت ہوگا' حکومت کوئی کرے ہمیں اس سے غرض نہیں کہ مولوی حکومت کریں ہمیں اس سے غرض نہیں ہے کہ پرویز مشرف وردی پہنتا ہے یا اسے اتارتا ہے بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ قرآن وسنت کا نظام آجائے

شہید ہوئے تو کیا یہ سارے اس لئے جانیں دیتے رہے کہ یہاں مغربی جمہوریت پھلے پھولے۔ جہاں سودی نظام پھلے پھولے۔ یہاں لوگوں کی عزتیں لوٹی جائیں' لوگوں کو قتل کیا جائے' جہاں کا نظام عدل کافر کا بنایا ہوا ہو، اور اسے ہم عدالت کہیں اور اسے عدل کہیں۔ دو چیزیں عدل نہیں ہوتیں، ایک نظام قرآن دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ صدق بھی ہے اور عدل بھی ہے' صدقا وعدلہ۔ یہ سچا بھی ہے اور عدل بھی ہے۔ اب اس کے علاوہ ایک اور نظام آپ بناتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ عدل ہے یہ تو ایک طرح سے قرآن کا انکار ہے۔ کہ عدل وہ نہیں ہے یہ ہے۔ چونکہ دو چیزیں جب مقابل آگئیں۔ دونوں عدل نہیں ہوسکتی۔ ایک عدل ہوگا۔ ایک غلط ہوگا۔ میرے خیال میں قوم کا یہ اقدام اور یہ ہمت کہ اس نے دینی سیاسی رہنماؤں کو اسمبلی میں پہنچایا۔ آج تک کا جو نتیجہ ہے اس میں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ قوم کا یہ اقدام بھی رائیگاں جائے گا۔ اس کا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پھر عجیب وغریب خبریں پڑھنے میں ملتی ہیں۔ اس کی دوکان گرادو' اس کی بس روک دو' اس کا یہ کردو' اس کا وہ کردو' اسلام یہ تو نہیں ہے۔ پرسوں ایک خبر تھی کہ سرحد میں ہاتھ کاٹنے کی سزا شروع کردی جائے گی۔ کوڑے مارنے کی سزا شروع کردی جائے گی۔ اسلام کوڑے مارنے اور ہاتھ کاٹنے سے شروع نہیں ہوتا۔ اسلام کی بنیاد دو باتوں سے شروع ہوتی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ میں جن سے ابتداء کی۔ وہ دو باتیں ہیں: ایک بات یہ ہے کہ صحابہ اکرام جب مدینہ منورہ وارد ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے ان میں اخوت وبھائی چارہ بنا کر اُن کی معاش کی بنیاد رکھی پہلا کام جو ریاست مدینہ میں سلطانِ مدینہ ﷺ نے کیا وہ ہاتھ کاٹنے کا نہیں تھا۔ وہ کام یہ تھا کہ آنے والوں کو بھی اور جو پہلے مقیم ہیں۔ مہاجر وانصار کو بھائی بھائی بنا کر معیشت پر لگا دیا گیا ہے۔ جن کی زمینیں ہیں آپس میں بانٹ لو۔ اور کھیتی باڑی شروع کرو۔ جن کے باغات ہیں آپس میں بانٹ لو۔ اور درختوں کی نگہداشت شروع

کرو جو تجارت کرتے ہیں' دوکانیں اور کاروبار آپس میں بانٹ لو اور اسے مزید وسعت دو۔

یہ پہلی بنیاد تھی۔ جو مدینہ منورہ میں رکھی گئی۔ اور دوسری بنیاد یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے بچوں کو تعلیم سے آشنا کرو۔ یعنی دو باتوں سے ریاستِ اسلامی کی ابتداء فرمائی گئی۔ معیشت معاش اور تعلیم' معاش کی بنیاد اخوت پر حضور ﷺ نے رکھی۔ کہ جب تک ایک دوسرے کا بھلا نہیں چاہو گے۔ ایک دوسرے کو بھائی نہیں سمجھو گے معیشت کی اصلاح ممکن نہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ کی جیب کاٹ لوں۔ آپ اس انتظار میں بیٹھے ہوں کہ میں اس سے کتنے پیسے لے سکتا ہوں تو معیشت تو نہیں سدھرے گی۔ بھائی چارے کا مطلب یہ ہے کہ آپ میرا بھلا چاہیں بھائی سمجھ کر، میں آپ کا بھلا چاہوں گا تب آئے تو دکاندار کو یہ احساس ہو۔ اس نے مجھے پیسے دینے ہیں لہذا اس کو میں ایسی چیز دوں جو اس کی ضرورت پوری کرے اور اس کا نقصان نہ ہو۔ اور لینے والے کو یہ خیال ہو کہ میں اپنی ضرورت پوری کر رہا ہوں کہ میں اسے بھی اس کا حق اور قیمت ادا کروں تاکہ یہ بھی اپنی ضرورتیں پوری کر سکے اخوت کا مفہوم یہ ہے لہذا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلا بنیادی کام اخوت کا، بھائی چارے کا، کیا اور اس کے ساتھ معیشت شروع کروائی۔ یہ پہلا کام تھا۔ جس سے ریاست مدینہ میں نفاذ اسلام کی ابتدا ہوئی۔ دوسرا کام تعلیم تھا کہ دین تو مسلسل سکھایا جا رہا تھا۔ حضور ﷺ کا ہر ارشاد دین تھا اور ہر صحابی لے اڑتا جس طرح باد صبا پھولوں کی خوشبو پھیلاتی ہے اسی طرح صحابہ اکرامؓ کوئی بات دہن مبارک ﷺ سے نکلتی تو بادِ صبا کی طرح اپنے دامن میں لیکر پھیلا دیتے تھے۔

دنیوی تعلیم کی بنیاد بھی رکھی۔ دنیوی فنون سکھائے، زراعت کا علم سکھایا گیا، کھجوریں کس طرح بوئی جاتی ہیں، ان کا پھل کس طرح آتا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاش کی بنیاد اخوت پر رکھی فرمایا جب تک ایک دوسرے کو بھائی نہیں سمجھو گے، معیشت کی اصلاح ممکن نہیں۔

ہے، فصلیں کس طرح بوئی ہیں، کھیتیاں کس طرح تیار کرنی ہیں، کاروباری تجارتی اصول کیا ہیں؟ جب معیشت سدھری تو پھر اگر کوئی چوری کرتا ہے۔ تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ بھائی چارے کے بعد اگر کوئی بھائی سے دھوکا کرتا ہے۔ تو اسے درے پڑیں اب آپ بنیادی کام چھوڑ دیں۔ اور آخری پکڑ لیں کہ یہ اسلام ہے پھر تو مشکل ہو جائے گی۔ اسلام کیسے نافذ ہو جائے گا؟ مدینہ منورہ میں قحط پڑا گندم نہیں ملتی تھی، دستیاب نہیں تھی، لوگ ''جَو'' کھانے پر مجبور تھے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کا عہد زریں تھا۔ اور آپؓ بھی جَو کی روٹی کھاتے تھے۔ اور اس سے آپؓ کا معدہ خراب ہو گیا۔ کیونکہ جَو ہضم نہیں ہوتے تھے۔ اطباء نے کہا کہ جی آپؓ جَو کھانا چھوڑ دیں۔ آپؓ کو جَو ہضم نہیں ہوں گے آپ گندم کھا لیں۔ فرمایا۔ مدینۃ الرسول کے باسی جو کھائیں اور عمر زندہ رہنے کیلئے غلہ کھائے یہ نہیں ممکن۔ جب تک سب شہری غلہ نہیں کھائیں گے عمرؓ بھی جَو ہی کھائے گا۔ اب ہوا یہ کہ قافلہ پہنچ گیا حضرت عثمانؓ کا اونٹوں کا غلہ لدا ہوا تھا۔ اور شہر سے باہر آخر خیمہ زن ہوا۔ اور اونٹوں سے غلہ اتارا گیا۔ تو کاروباری جتنے لوگ تھے۔ تاجر پیشہ' دکاندار وہ بھاگے کہ جتنی حیثیت ہے دس بوریاں' دو بوریاں' چار بوریاں' سو بوریاں خرید لیں۔ پھر آگے بیچیں۔ جب سیدنا عثمانؓ سے بات ہوئی انہوں نے فرمایا بھئی میں غلہ اس قیمت پر لایا ہوں۔ مجھے یہ قیمت بھی چاہئے۔ اور اس کے ساتھ دس گنا منافع بھی چاہئے۔ اگر میں سو روپے بوری لایا ہوں تو مجھے ہزار روپے منافع چاہئے۔ گیارہ سو کی بیچوں گا۔ اب سب بکا بکا رہ گئے۔ اگر ہزار روپے فی بوری منافع آپ کو دیں گے۔ یا فی من آپ کو ہزار روپے منافع دیں گے تو ہم سے خریدے گا کون؟ اور پھر اس پر اضافہ ہمیں پڑنے یہ تو ممکن نہیں ہے۔ اور ہم خرید کیسے سکتے ہیں۔ کہ اگر غلہ سو روپے من آیا۔ اور ہم گیارہ سو روپے من خریدیں۔ تو فرمایا حضرت آپ کا یہ غلہ کوئی نہیں خریدے گا۔ آپؓ نے فرمایا نہیں، میرے پاس گاہک ہے۔ میرے پاس ایسا گاہک ہے جو کہہ رہا ہے کہ دس گنا منافع لے لو اور مجھے دے دو۔ انہوں نے کہا کہ پھر اسی کو دو۔ انہوں نے سارا اللہ کی راہ میں بانٹ دیا کہ

اس کا وعدہ ہے کہ میں کم از کم جو دوں گا وہ دس گناہ ہوگا۔ لہٰذا میرے پاس گاہک ہے۔ انہوں نے سارا مدینۃ الرسول میں تقسیم فرما دیا۔ جب قحط سالی کا یہ عالم تھا۔ جو بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے حکم دے دیا کہ اگر کھانے پینے کی کوئی چیز چراتا ہے تو اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے' سزا معطل رہے گی۔ جب تک لوگوں کو کھانا نہیں ملتا۔ یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا عہد نبوی سے آ رہی تھی۔ اور اس شدت سے آ رہی تھی۔ کہ ایک معزز قبیلے کی خاتون اس میں پکڑی گئی قاضی نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ تو قبیلہ جمع ہو کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ سیرت میں موجود ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ بڑے معزز قبیلے کی خاتون ہے۔ اور اس سے غلطی ہوگئی۔ اس کا کفارہ آپ ﷺ جو چاہیں ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ دس گناہ سو گنا اس کی زیادہ مالیت' معافی مانگنے کو تیار ہیں۔ پاؤں پکڑنے کو تیار ہیں۔ لیکن اگر اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ تو جب تک یہ لوگ رہیں گے پورے قبیلے کیلئے باعث شرم بات ہوگی۔ آپ ﷺ کا ارشاد موجود ہے۔ فرمایا قسم ہے اس رب کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ پر بھی یہ جرم ثابت ہو جاتا۔ تو میں محمد رسول اللہ ﷺ اس کا ہاتھ کٹوا دیتا۔ تمہارے قبیلے کی عزت کا کیا ہے۔ اللہ کے حکم کے سامنے کوئی معزز نہیں ہے۔ سب سے بڑی عزت اس کے حکم کی ہے۔ اور جو نافذ ہوگا اور پھر فرمایا کہ پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ بڑے جرم کرتے تھے تو چھوٹ جاتے تھے۔ اور غریب مفلس جرم کرتے تھے تو دوگنا سزا پاتے تھے۔ جیسے آج ہو رہا ہے۔ بڑے بڑے لوگوں نے جنہوں نے کروڑوں کھائے اور پورے ملک وقوم کو لوٹا۔ اور نیب نے انہیں پکڑا۔ وہ وزیر بن گئے کیبنٹ میں چلے گئے۔ اور باقی لوگ سر راہ قتل ہو جاتے

> قسم ہے اس رب کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ پر بھی یہ جرم ثابت ہو جاتا تو میں محمد رسول اللہ ﷺ اس کا ہاتھ کٹوا دیتا

ہیں۔ پرچہ نامعلوم لوگوں کے خلاف ہو جاتا ہے۔ تو سیدھی سی بات ہے۔ کہ عدل صرف کتاب وسنت ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی نظام عدل' عدل نہیں ہے۔ عدل پر الزام ہے۔ جھوٹ ہے۔ اور فرمایا وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، کہ تم کیا کہتے ہو، کیا کرتے ہو، اگر تم اسی جمہوریت پر رہے کہ زمین پر بسنے والی اکثریت کی اطاعت کرلو۔ تو اکثریت تو اندازوں پر' تخمینوں پر' زندہ ہے۔ وہ تمہیں بھی گمراہ کر دے گی۔ اور وہ جانتا ہے مِنْ يُضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ کہ کون اس کے راستے کو چھوڑ رہا ہے وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْن وہ ان کو بھی جانتا ہے۔ جو اس کی راہ پر کھڑے ہیں۔ یہ ساری صورتحال تو ایک سوال ہے۔ اور اس میں سب سے بڑا اور اہم سوال یہ ہے کہ ہم نے جو یہ نفاذ اسلام کیلئے توپ چلائی۔ اگر یہ وار بھی خالی گیا تو پھر کیا ہوگا؟ جیسا کہ حالات سے نظر آ رہا ہے۔ کہ یہ وار کارگر نہیں ہوا۔ پھر ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔ اور وہ ہم سب پر فرض ہے کہ پرامن طریقے سے' ہم کسی کی دوکان نہ جلائیں۔ کسی کی گاڑی نہ جلائیں۔ کسی کا راستہ نہ روکیں۔ کسی کو پریشان نہ کریں۔ لیکن پرامن طریقے سے ہر مسلمان جو قرآن وسنت چاہتا ہے۔ وہ میدان میں نکل آئے کہ ہمیں صرف قرآن وسنت چاہئے۔ اور کسی بات پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔ صرف ایک طریقہ باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے اور وہ ہم پر فرض ہے کہ ہم سر میدان' ہم ایران کے مسلک سے متفق نہیں ہیں۔ ان کا اپنا ایک مسلک ہے۔ جسے وہ حق سمجھتے ہیں۔ شہنشاہ بڑا طاقتور تھا۔ اور اس وقت دنیا کی جدید فوج اور دنیا کے جدید آلات وجراحت اس کے پاس تھے۔ اور امریکہ بہادر اپنی قوت کے ساتھ اس کی پشت پر تھا۔ یہی امریکہ اس وقت شہنشاہ کے ساتھ بھی تھا۔ جس نے پھر اسے پناہ بھی نہیں دی۔ لیکن شہنشاہ کو ملک سے بھاگنا پڑا۔ کیوں؟ ہر شہری ہر گلی کا ہر بندہ میدان میں نکل آیا تھا کہ ہمیں تم نہیں چاہئے۔ بادشاہ مردہ باد' بادشاہ مردہ باد' اس پر بھاگتے ہوئے کسی نے سوال کیا تھا یہ اس کی تاریخ میں موجود ہے کہ اتنے بڑے حکمران ہو، اتنی بڑی فوج تمہارے پاس ہے۔ اتنا بڑا اسلحہ ہے، اتنے بڑے ٹرینڈ لوگ ہیں، بھاگ رہے ہو اتنی بڑی سلطنت چھوڑ کر اس نے کہا دنیا میں

میرے پاس ہر اسلحے کا جواب موجود ہے۔ لیکن جو پتھر گلی سے آتا ہے اس کا جواب میرے پاس نہیں، میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ آج کے جابر جو ہیں یہ بھی گلی کے پتھر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب ہر گلی سے، ہر گھر سے آواز اٹھ آئے کہ ہمیں سوائے قرآن وسنت کے کچھ نہیں چاہئے۔ پچاس سال پہلے لاکھوں افراد جو ظلماً شہید ہوئے جن کے بچے نیزوں پر جھول گئے۔ جن کی عزتیں راستے میں لٹ گئیں۔ جن کے گھر جلے اور زندہ انسان جل گئے۔ کیوں؟ اس مغربی جمہوریت کیلئے یہ تو ہندوستان میں موجود تھی۔ اس وقت اور اب بھی ہے یہاں سے بہتر ہے۔ کہ نصف صدی سے زائد عرصے تک وہاں ابھی تک کوئی فوج نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ نظام پاکستان کی نسبت ہندوستان میں بہتر چل رہا ہے۔ اس نظام میں زندہ رہنے کیلئے لوگوں نے قربانیاں نہیں دی تھیں۔ یہاں جو جواں شہید ہوئے، اور مارے گئے اور جن کے لاشے بھی گل سڑ گئے۔ کتنے لوگ تھے ہمارے عزیز واقارب تھے۔ جو مشرقی پاکستان میں رہ گئے۔ جن کی قبر بھی کسی نے نہیں بنائی۔ اور کتنے لوگ تھے۔ جو بارڈروں پر شہید ہوتے تھے۔ یہ اس لئے ہوئے تھے کہ یہ ایک کفر کا گھر بنا رہے ہیں اور یہاں فواحشات اور بے حیائی، سود اور حرام اور جھوٹی عدالتیں چلتی رہیں۔ نہیں، یہ ساری قربانیاں محض قرآن وسنت کے احیاء کیلئے تھیں۔ اور آج بھی ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہر گھر سے، ہر گلی سے، ہر کوچے سے، یہ نہیں کہ پڑوسیوں کو تنگ کرنے کیلئے۔ یہ نہیں کہ کسی کی گاڑی جلانے کیلئے۔ یہ نہیں کہ کسی دکاندار کے شیشے توڑنے کیلئے نہیں یہ بتانے کیلئے ہم میدان میں اتر آئیں۔ کہ ہمیں سوائے قرآن وسنت کے کچھ نہیں چاہئے۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ کون سا مارشل لاء راستہ روکتا ہے۔ اور کون سی فوج آ کر فتح کرتی ہے۔ لیکن

کافر بھی اس بدترین صورتحال سے دوچار نہیں، جس سے ہم کلمہ گو اہل پاکستان دوچار ہیں، جب معیشت سدھر جائے پھر اگر کوئی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے' بھائی چارے کے بعد اگر بھائی سے دھوکا کرتا ہے تو اسے درے پڑیں

اگر ہم نہ کر سکے تو دوسرا راستہ کافر کی غلامی کا ہے۔ جو ہمارے گلے میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم مانیں یا نہ مانیں ہم امریکہ کے غلام ہیں۔ غلام ہیں مغربی طاقتوں کے۔ ہمارے رزق کے فیصلے وہ کرتے ہیں۔ ہمارے فوج کی پرموشن کے فیصلے وہ کرتے ہیں۔ ہمارے بینکنگ سسٹم کے فیصلے وہ کرتے ہیں اور ہماری عدالتوں کے فیصلے بھی وہی لکھتے ہیں۔ جسے چاہتے ہیں اسے بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ جسے چاہتے ہیں اسے قید کرا دیتے ہیں۔ وہ چاہیں تو نواز شریف معزول ہو جاتا ہے اور وہ چاہیں تو سزا چھوڑ کر حرم میں چلا جاتا ہے۔ یہ ان کی پسند ہے جو وہ چاہیں کر دیں۔ چاہیں وہ کسی گھر سے مردوں اور عورتوں کو اٹھا کر لے جائیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ وہ چاہیں تو سب کو بخش دیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔

ایک طرف یہ ذلت کی زندگی ہے اور دوسری طرف نصرت الٰہی ہے اور فیصلے کی گھڑی ہے میں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہمیں حق کا فیصلہ کرنے اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور یہ جرات رندانہ ہر مسلمان کو عطا کرے۔ آمین

سنت نبوی ﷺ

فرمایا۔ اب آپ اس کو حالات حاضرہ پہ منطبق کر کے دیکھیں جو شخص، جو قوم، جو افراد آپ ﷺ کے ایک ایک بال کی عزت کرتے تھے انہیں خدا نے صحراؤں سے اٹھا کر فضاؤں پہ مسلط کر دیا اور آج کا مسلمان اپنے لئے ترک سنت میں عزت کا متلاشی ہے۔ تو جو قوم' جو افراد ترک سنت میں اپنے لئے عزت سمجھتے ہیں ان سے کس چیز کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو خیر امت کس نسبت سے سمجھے بیٹھے ہیں۔ جو نسبت خیر تھی اس میں تو انہیں اپنی عزت نظر نہیں آئی۔ اہل مغرب کی نقالی یا ان کی مشابہت مسلمان کو کبھی عزت سے دوچار نہیں کر سکتی۔ یاد رکھیں یہ ساری محنت' یہ سارے مجاہدے' یہ سارے ذکر واذکار' یہ تمام عبادات صرف ایک غرض کے لئے ہیں اور وہ غرض ہے نسبت محمد رسول اللہ ﷺ۔ بغیر حضور ﷺ کی نسبت کے طلب باری یا تعلق باری پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ایک شخص اپنا حلیہ' اپنا لباس' اپنی بود وباش کا طریقہ' مغرب سے ملا کر اپنے آپ کو مہذب سمجھتا ہے اور حضور ﷺ نے بخشی اسے اپنانا' ایک کمتر درجے کی زندگی سمجھتا ہے اور پھر دل میں یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو پھر قیامت کے دن کس منہ سے آپ کی شفاعت کی امید رکھے گا۔

(کنز الطالبین)

کلامِ شیخ

اللہ اللہ

کہاں میں کہاں یہ عطا اللہ اللہ
کہ دیکھوں حرم کی ضیاء اللہ اللہ
تجلی ذاتی کا مہبط ہے یہ گھر
سجائے کھڑا ہے قبا اللہ اللہ
محبت تھی اس گھر سے میرے نبی کو
تھا یہ گھر بھی ان پر فدا اللہ اللہ
تیری وحی قدسی عطا کی ضیاء سے
منور حرم اور حرا اللہ اللہ
یہ ذرے چٹانیں یہ دشوار راہیں
نصیب ان کا سب سے سوا اللہ اللہ
ہے چوما انہوں نے قدوم نبی کو
فلک جن کا تھا فرش پا اللہ اللہ
بظاہر سیہ پوش کجلائے پتھر
دوعالم میں ان کی ضیاء اللہ اللہ
انہی پتھروں میں ہے وہ غار دیکھو
رکا تھا جہاں قافلہ اللہ اللہ
نبی کی سواری تھا صدیق اکبر
انہی دو کا تھا تیسرا اللہ اللہ
معنا کا نغمہ سنا تھا جنہوں نے
یہ راہیں ہیں ان پہ فدا اللہ اللہ
یہیں کٹ گیا تھا قمر آسماں پر
بحکم شہہ انبیاء اللہ اللہ
اسی شہر میں پتھروں نے پڑھا تھا
تیرا کلمہ جاں فزا اللہ اللہ
یہیں آپ کا گھر یہیں دار ارقم
وہ دیکھو وہاں شعب تھا اللہ اللہ
محبت کا کتنا کڑا امتحاں تھا
نہ ملتی تھی ان کو غذا اللہ اللہ
اسی راستے میں حدیبیہ کا منظر
جو مہبط رضا کا ہوا اللہ اللہ
فلک اس کی چوکھٹ پہ خم دیکھتا ہوں
مقام در مصطفےٰ اللہ اللہ
میری جاں اسی راستے پہ ہو قرباں
ہے سیماب کی یہ دعا اللہ اللہ

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے گردسفر، نشان منزل، متاع فقیر، آس جزیرہ، دیدہ تر، کونسی ایسی بات ہوئی ہے، سوچ سمندر اور دل دروازہ (پنجابی میں) شائع ہو چکے ہیں۔

تصوف وسلوک کا حاصل

یہ بات غلط العام ہوگئی ہے کہ ولی اللہ اور صوفی جو ہوتے ہیں وہ جنگلوں پہاڑوں میں رہتے ہیں تنہا رہتے ہیں' کھاتے پیتے کچھ نہیں' ملتے کسی سے نہیں' یہ نہیں ہوتا، وہ نہیں ہوتا، کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جنگلوں پہاڑوں میں رہتے تھے، کیا نبی کریم ﷺ لوگوں سے ملتے نہیں تھے، کیا نبی کریم ﷺ اپنے حصے کا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے، لباس نہیں پہنتے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے تو لباس کو صاف رکھنے کی تلقین فرمائی۔ فرمایا اگر غریب ہے لباس پھٹا ہوا ہے تو اُسے سینے میں کیا حرج ہے' میلا کرنے کی کیا ضرورت ہے دھو کر نہیں پہن سکتے

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان، منارہ 06-10-2002

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم o

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان o

دین اسلام میں یہ بڑا سادہ سا اصول قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے پوری زندگی اس میں سمودی ہے کہ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان o نیکی اور اللہ سے محبت اور اللہ کیلئے جو کام کئے جائیں جن میں للّٰہیت ہو اُن میں تعاون کرو۔ اس غرض سے نہیں کہ وہ کام کرنے والا کوئی دولت مند ہے یا فقیر' وہ پڑھا لکھا بہت بڑا عالم ہے یا عام اَنپڑھ اُس کی صورت کیسی ہے یا وہ کسی ملک کا رہنے والا ہے یا وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہے اس سے غرض نہیں ہے بلکہ اسلام نے ملکوں اور قومیتوں کے بت ڈھا دیئے ہیں اور قومیں اور قبیلے محض ایک بندے کی پہچان بن کر رہ گئے اس سے زیادہ اُن کی کوئی حیثیت نہیں۔

وَجَعَلْنَا قَبَائِلَ وَ شُعُوباً لِتَعَارَفُوا۔ ہم نے قبائل اور قومیں شعوب اس لئے بنا دیئے کہ بندے کی پہچان ہو سکے کہ کون کون ہے ورنہ مسلمان کے لئے ساری زمین وطن ہے کہ ساری زمین اللہ کی ہے اور ہر وہ بندہ جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اُس کا بھائی ہے۔ کُلُّ مُسْلِمٍ اِخْوَۃٌ تمام مسلمان بھائی ہیں۔ ریاست اسلامی کی بنیاد اس بات پہ رکھی گئی ہے اور سب سے پہلا کام جو آقائے نامدار ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں کیا وہ یہ تھا کہ تمام مسلمانوں میں اخوت قائم فرمائی اور اس درجہ اخوت قائم فرمائی اور اتنا ایثار کیا انصار نے کہ مہاجرین تو ہر چیز چھوڑ کر آئے تھے کہ جو جس کا بھائی بنایا گیا اُس نے اپنی جائیداد اور وراثت تک اُس کے ساتھ بانٹ لی تقسیم کر دی اور باقاعدہ اُسے بھائی کا درجہ دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی کام بھی آپ کرنا چاہتے ہیں جو بھلائی کا ہو' نیکی کا ہو' انقلابی ہو' مثبت تبدیلی لائے اگر آپ بُرائی کو مٹانا چاہتے ہیں تو بھلائی کے قیام کے لئے سب سے پہلے اتفاق واتحاد' اخوت' بھائی چارہ' محبت یہ بنیادی پتھر ہیں۔ مجھے آج تقریر نہیں کرنی دو چار نکات ہیں میرے پاس جن پر بات کرنی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آج کی دنیا سرے سے ذکر اذکار اور تصوف کی مخالفت کرنا عین اسلام سمجھتی ہے اور حیرت ہوتی ہے جب بڑے پڑھے لکھے لوگ اسی موضوع پہ بات کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ کس قدر جہالت کی باتیں کرتے ہیں یعنی وہ سلوک اور تصوف' دین اسلام اور قرآن وسنت کے مقابلے میں ایک الگ دین بتاتے ہیں اور اس میں سارا قصور اُن کا بھی نہیں ہے اس لئے کہ تصوف کے نام پر اسقدر بدعات گھڑی گئیں' اس قدر رواجات گھڑے گئے' اسقدر رسومات گھڑی گئیں' کہ ہر دوسرے گاؤں میں ایک بندہ خدائی طاقتوں کا دعوے دار بن بیٹھا اور لوگوں کے لئے مشکل کشا اور حاجت روا بن بیٹھا اور یہ سب کچھ پیری مریدی اور تصوف وسلوک کے پردے میں کیا گیا۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ اگر کسی چیز کی نقل زیادہ ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اصل ہے ہی نہیں بلکہ جس چیز کی جتنی نقل زیادہ ہوتی ہے یہ اس بات کی دلیل بنتی ہے کہ یہ چیز بہت قیمتی ہے کہ اس کی نقل بھی

بک رہی ہے جتنی کوئی شے قیمتی ہوگی اتنی اُس کی نقل بنے گی جو شے پہلے ہی لاحاصل اور لایعنی ہو جسے لوگ پہلے خریدنے کو تیار نہ ہوں اُس کی نقل کوئی بنائے گا تو وہ کیا کمائے گا۔ نقل بھی ہمیشہ انہی کاموں کی اُنہی چیزوں کی بنتی ہے جو بہت قیمتی ہوتے ہیں اور ایک سادہ سی بات ہے کہ تصوف ہے صفائے قلب کا نام۔ قرآن حکیم نے جسے تزکیہ کہا۔ چونکہ قرآن حکیم کا غیر ملکی زبانوں میں سب سے پہلا ترجمہ جو ہوا وہ فارسی میں ہوا اور عرب کے بعد بہت بڑا ملک جو اسلام کے زیر نگیں آیا اور جس کی زبان سے ایک عالم واقف تھا وہ ایک قدیم سلطنت تھی جس کا لین دین پوری دنیا سے تھا اور جن کی زبان معروف زبان تھی چونکہ وہ دنیا پہ چھائے ہوئے تھے ایک سپر پاور تھی جب وہاں اسلام وارد ہوا تو محدثین کی کثیر تعداد اور فقہاء کی کثیر جماعت آپ کو فارس سے ملتی ہے۔ قرآن حکیم کا بھی پہلا ترجمہ جو کسی غیر ملکی زبان میں ہوا وہ فارسی میں ہوا اور تزکیہ کا ترجمہ انہوں نے تصوف کر دیا تزکیہ عربی لفظ تھا صفائے قلب اُس سے مراد تھی۔

یتلوا علیھم ایٰتہ و یزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمتہ۔ اللہ کا حبیب ﷺ انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے پھر جو قبول کرے اُس کے دل کا تزکیہ کرتا ہے صفائی فرماتا ہے اور اس کے بعد اسے کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ جو صفائے قلب تھی اُسے فارسی میں تصوف کہہ دیا گیا تصوف کا معنی بھی یہی ہے صفائی کرنا اور یہ جو غلط العام ہے کہ صوفیا صوف کے کپڑے پہنتے تھے۔ تو اگر صوف سے بنایا جائے تو تصوف بنتا ہی نہیں ہے۔ صفا سے تو تصوف بنتا ہے کہ صفائی کرنا صوف سے تصوف کیا بنے گا اون بنانا مزید صوف بنانا یا بندے کی اون بنانا یعنی اگر آپ گرائمر کے اعتبار سے صوف سے تصوف بنائیں گے تو اُس کا ترجمہ یہ بنے گا کہ بندے کی اُون بنائی جائے۔

> **عبادات سے دل میں صفائی آئے گی لیکن ترقی درجات کا مدار ترقی درجات کا مدار اس پر نہیں ہے ترقی درجات کا مدار اُن اعمال پر ہے جو آپ خلوص کے ساتھ بجا لائیں**

صفا سے تصوف ہوگا تزکیے کا ترجمہ جو ہوگا اُس سے مراد ہوگی کہ اُس کی صفائی کی جائے اُسے صاف کیا جائے منور کیا جائے روشن کیا جائے تو یہ بات تو سمجھ میں آنے والی ہے لیکن بندے کی اُون تو نہیں بنتی۔ اُون پہننے کو تصوف نہیں کہا جا سکتا۔ اگر صوف اون کو کہا جائے تو تصوف ہوگا کہ اُس کی بھی اُون بنائی جائے۔ ایک غلط العام لفظ ہے جو کسی بے خبر نے لکھ دیا اور اُس پر بات چلتی رہی۔ تصوف کی اصل تزکیہ کا ترجمہ ہے اور صفائے قلب ہے اور اسلام کی مخالف نہیں بلکہ احکام شریعت اور سنتِ سنیہ پر دل کی گہرائی اور خلوص سے عمل کرنے کے لئے جو کوشش کی جاتی ہے اُس کا نام تصوف ہے۔

تو سلوک میں کسی کو اگر کشف یا مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ بھی شریعت کا پابند ہے اگر شرعی حدود کے اندر کوئی بات منکشف ہوتی ہے تو اللہ کا انعام ہے لیکن کسی کا کشف شریعت سے ٹکراتا ہے تو شریعت درست ہے اور اُس کا کشف باطل ہے اور اُسے اصطلاح میں استدراج کہتے ہیں کہ شیطان نے کوئی تصویر بنا کر دکھا دی وہ کشف نہیں کہلاتا وہ استدراج کہلاتا ہے خلاف شریعت جو بات کسی صوفی کو نظر آئے گی وہ استدراج ہوگا۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اور ولی کا کشف ایک جیسا ہوتا ہے چیز ایک ہی منکشف ہوتی ہے فرق یہ ہوتا ہے کہ جیسے ایک عمارت ہے وہاں نبی کا کشف یہ ہوتا ہے کہ اللہ کریم جیسے نبی کی ذات کو وہاں لے جائیں ایک ایک اینٹ، ایک ایک پتھر، ایک ایک کھڑکی، ایک ایک دروازہ، ایک ایک کمرہ، اُس کا رنگ، اُس کی افادیت، سارا ایک ایک جزو سمجھا دیں، دکھا دیں۔ ولی کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ اُسے دور سے دکھا دیا جاتا ہے کہ یہ وہ ایک عمارت ہے اب اُس عمارت کو سمجھنے میں وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا محتاج ہے اگر اُسے کوئی کھڑکی یا کوئی کونہ اُس بات کے خلاف نظر آتا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمائی تو اُسے غلطی لگ رہی ہے اور صحیح وہ ہے۔

اس لئے تصوف وسلوک اسلام کے مقابل کوئی مذہب نہیں ہے بلکہ عین اسلام ہے اور جس خشوع وخضوع کی اللہ کریم نے تاکید

فرمائی ہے کہ اعمال میں اُن کی قبولیت کی شرط خشوع وخضوع ہے آپ کا دل اُس میں کتنا شامل ہے کس خلوص سے کس گہرائی سے آپ کس محبت سے کررہے ہیں۔ دلوں میں صفائی اورخلوص پیدا کرنے کے لئے جیسا کہ ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

لِکُلِّ شیءٍ صقالۃ وّصقالۃ القلوب ذکر اللہ. او کماقال رسول اللہ ﷺ کہ ہرچیز کی پالش ہوتی ہے اوردلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے یہ اُنہیں صاف کرتا ہے' چمکاتا ہے' روشن کرتا ہے تصوف وسلوک خلوص عطا کرتا ہے، یہ بات خوب سمجھ لیں۔ آپ جتنا ذکر کریں گے۔ جتنے مراقبات کریں گے جتنی اللہ اللہ کریں اُس سے دل میں صفائی آئے گی لیکن ترقی درجات کا مدار اس پرنہیں ہے ترقی درجات کا مدار اُن اعمال پر ہے جو آپ اُس خلوص کے ساتھ بجالائیں گے میدانِ عمل میں جب آپ جائیں گے جب آپ دکان پہ بیٹھیں گے جب آپ کسی سے لین دین کریں گے۔ جب آپ کسی سے صلح' لڑائی کریں گے جب آپ دنیوی اعمال کریں گے تو وہ خلوص جو ہے اُن اعمال کی قیمت بنادے گا انہیں ایک ذرے سے سونا بنادے گا ہیرا بنادے گا پتھر سے لیکن اگر کوئی رات دن اللہ اللہ کرتا رہے اور میدانِ عمل سے یکسو ہوجائے تو اُسے ترقی نصیب نہیں ہوتی ترقی درجات کا مدار اعمال پر ہے جن کے ہم مکلف ہیں۔ یہاں پھر ایک مغالطہ دے دیا گیا کہ جناب ملکی معاملات اور سیاسیات اور یہ تو بے دینی ہے اور مسلمان کو اس سے الگ رہنا چاہئے تو اِس مغالطے نے ملک کی آبادی کے ستر فیصد لوگوں کو ملکی انتظام سے الگ کردیا بلکہ اس سے زیادہ اگر آپ اسّی نوّے فیصد کہہ لیں تو بھی درست ہے لیکن کم ازکم ستر فیصد تو وہ ہیں جو کسی الیکشن میں ووٹ نہیں دیتے کسی کو بھی نہیں دیتے نہ اچھے کو نہ بُرے کو یعنی کبھی آپ کا جو ووٹوں کا تناسب ہے وہ تیس فیصد نہیں آیا کہ تیس فیصد

جتنی عبادت ہم کرتے ہیں اُس میں نماز بھی ہے روزہ بھی ہے حج بھی ہے زکوٰۃ بھی ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ صفائے قلب اور اللہ سے تعلق نصیب ہو

ووٹ پول ہوئے ہوں پندرہ بیس فیصد لوگ ووٹ دیتے ہیں اور پچاس فیصد لوگ ووٹ نہیں دیتے کہ یہ بے دینی ہے۔ یہ درست ہے کہ موجودہ نظام سیاست بے دین سیاسی نظام ہے یہ درست ہے کہ اِس میں بدکار آگے آتے ہیں لیکن یہ درست نہیں ہے کہ بے دین سیاسی نظام اور بدکاروں کو کھلی چھٹی دے دی جائے یہ غلط ہے اگر یہ اسّی فیصد اکثریت اچھے لوگوں کو آگے لانے کا سبب بن جائے۔ تو پندرہ فیصد اُن کا راستہ کیسے روک سکتے ہیں اگر یہ دین نہ ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ حکومت قائم نہ فرماتے، اگر یہ دین نہ ہوتا تو اسلامی ریاست نہ بنتی' اگر یہ دین نہ ہوتا تو اسلام اپنی فوجیں بھرتی نہ کرتا، اگر یہ دین نہ ہوتا، تو اسلام عدلیہ نہ بناتا، اگر یہ دین نہ ہوتا تو اسلام تعلیم کے اور صحت کے محکمے اور شعبے نہ بناتا' اگر یہ دین نہ ہوتا تو فاروق اعظمؓ زمین کی پیمائش اور تحصیلیں ضلعے' اور پرگنے اور صوبے نہ بناتے۔ اصل دین تو یہی ہے کہ دنیا میں آپ کا کردار اپنے لئے، اپنے رب کے ساتھ اور رب کے بندوں کی بھلائی کے لئے کیا کرتا ہے۔

میں نے غالباً پچھلے جمعہ میں بھی یہ بات کی ہے کہ ایک اور غلط العام یہ بات ہوگئی ہے کہ ولی اللہ اور صوفی جو ہوتے ہیں وہ جنگلوں پہاڑوں میں رہتے ہیں تنہا رہتے ہیں' کھاتے پیتے کچھ نہیں' ملتے کسی سے نہیں' یہ نہیں ہوتا' وہ نہیں ہوتا' کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جنگلوں پہاڑوں میں رہتے تھے' کیا نبی کریم ﷺ لوگوں سے ملتے نہیں تھے' کیا نبی کریم ﷺ اپنے حصے کا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے' لباس نہیں پہنتے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے تو لباس کو صاف رکھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا اگر غریب ہے لباس پھٹا ہوا ہے تو اسے سینے میں کیا حرج ہے، میلا کرنے کی کیا ضرورت ہے دھو کر نہیں پہن سکتے۔ بلکہ ایک صحابی حاضر ہوئے اور اُن کی داڑھی بے ترتیب تھی فرمایا داڑھی رکھنا تو اچھی بات ہے لیکن اسے بے ترتیب رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے خوبصورت انداز میں کیوں نہیں رکھتے ہو ایک عالم کو تہذیب سکھائی تھی محمد رسول اللہ ﷺ نے اگر یہ دین نہیں تھا تو حضور ﷺ نے کیوں سکھائی۔ اصل دین یہی ہے

یاد رکھیں جتنی عبادت ہم کرتے ہیں 'اُس میں نماز بھی ہے' روزہ بھی ہے' حج بھی ہے 'زکوٰۃ بھی ہے' اُس کا حاصل یہ ہے کہ صفائے قلب اور اللہ سے تعلق نصیب ہوتا ہے اور میدان عمل میں کام کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے آخرت میں جو ملے گا وہ میدان عمل کے کردار پر ملے گا نماز روزے پر نہیں۔ نماز روزے اور عبادت کا حاصل یہیں وصول ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الصلوٰۃ تنھٰی عَنِ الفحشاءِ وَالمنکر

عبادت صلوٰۃ اور نماز دو الگ لفظ ہیں نماز دراصل مجوسیوں کا لفظ ہے آتش پرستوں کا لفظ ہے جو عبادت آتش پرست کرتے تھے آگ کے گرد بیٹھ کر اُسے وہ نماز کہتے تھے اردو والوں نے صلوٰۃ کا ترجمہ نماز لکھ دیا اور یہ غلط العام ہو گیا یہ اسلامی لفظ نہیں ہے آتش پرستوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے جو بیس بیس، تیس تیس برس آگ کے گرد بیٹھے رہتے تھے۔ اور انہیں عجیب عجیب استدراج اور شیطان ان کے ہاتھوں سے عجیب عجیب کمالات ظاہر کرواتا تھا کوئی بھوکا آیا تو انہوں نے آگ میں ہاتھ ڈالا اور کھانا اٹھا کر ایک دسترخوان پورا ایک ٹرے اٹھا کر اُسے دے دی اِس طرح کی چیزیں اُن کے پاس ہوتی تھیں یہ سب استدراج اور شعبدہ بازی ہوتی تھی اور شیطان اِس معاملے میں اور ہر کافرانہ معاملے میں جس میں عقیدہ بندے کا تباہ ہوتا ہو اُس میں وہ تعاون کرتا ہے۔

بلکہ میرے اپنے ساتھ ایک بڑا مزیدار واقعہ ہوا ہم کھلیان پر تھے فصل کی گہائی کا موقع تھا تو ایک سانپ کوئی ڈیڑھ دو فٹ کا وہاں سے نکلا اور یہاں جو سانپ ہوتے ہیں بڑے زہریلے اور بڑی سخت قسم کے ہوتے ہیں عام سانپ بھی ہوتے ہیں بعض بہت زہریلے ہوتے ہیں وہ بڑی سخت قسم کا اور بڑا زہریلا سانپ تھا میں نے اُسے ایک بوتل میں ڈال دیا تو یہاں کچھ خانہ بدوش پھر رہے تھے اور خانہ بدوشوں

کی ایک نسل ہوتی ہے انہیں یہاں پنجابی میں گگڑے کہتے ہیں اُن کا کوئی دین مذہب، کوئی ایمان، کوئی عقیدہ، نہیں ہوتا اور زیادہ تر وہ جب ہمارے علاقے میں یہاں ہوتے ہیں تو گیدڑوں کا شکار بڑا کرتے ہیں اور گیدڑ کا گوشت بڑا پسند ہوتا ہے تو سانپ بھی پالتے ہیں تو اُن میں سے ایک بندے کو پتہ چلا وہ میرے پاس چلا آیا کہ جی آپ نے وہ سانپ بوتل میں ڈالا ہے تو وہ مجھے دے دیں میں نے کہا بھئی لے جاؤ لیکن سانپ دوں گا بوتل نہیں دوں گا۔ سانپ لے جاؤ بوتل نہیں دوں گا تو میں نے ویسے درخت کے ساتھ لٹکا دیا تھا تو جب کوئی دور سے بھی بندہ گزرتا جتنی بوتل میں گنجائش تھی اتنا وہ کھڑا ہو جاتا وہ کہنے لگا جی بڑا زہریلا سانپ ہے آپ مجھے بوتل دے دیں میری وہ جھگی ہے میں وہاں تک جا کر ایسے میں کسی اُس ڈول شول میں ڈال کے تو میں بوتل واپس کر جاؤں گا میں نے کہا بھئی آپ نے سانپ مانگا ہے سانپ تو میں دیتا ہوں میں نے سانپ کا کیا بنانا ہے بوتل نہیں دوں گا اس نے بڑی منتیں کیں میں نے کہا نہیں بوتل نہیں دوں گا سانپ لے جاؤ پہلے تو وہ بے چارا بھی جان بچاتا رہا پھر اُس نے جب سمجھا کہ بوتل نہیں دے گا تو سانپ کو بھی چھوڑنے کا اُس کا ارادہ نہیں تھا کہ قیمتی سانپ ہے پھر یہ لوگ بیچتے بھی ہیں میڈیکل والوں کو ہسپتالوں کو بیچتے ہیں وہ اُن کی زہر نکال کر یہ جو سانپ سے بچاؤ کے سانپ کاٹ جائے تو اُسی کا جو علاج کرتے ہیں وہ بھی سانپ کا زہر ہی ہوتا ہے تو اُسے کوئی پراسس کر کے اُس کے انجکشن بناتے ہیں تو اُس نے کہا جی ٹھیک ہے منگوائیے بوتل۔ وہ بوتل لڑکا اُتار کے لے آیا اُس نے اُسی کا ڈھکن اُتارا تھوڑی دیر کچھ پڑھتا رہا ہونٹ ہلتے رہے پھر اُس نے اُس میں تھوک دیا اور سانپ کو زمین پہ الٹ دیا وہ بالکل رسی کی طرح ہو گیا اُس نے اکٹھا کر کے ہاتھ پہ رکھا چادر کا ایک پلو کیا اُس میں رکھ کے اوپر سے گانٹھ لگائی اور سلام کر کے چلا گیا۔ میں بڑا پریشان ہوا کمال ہے نہ تو یہ مسلمان ہے اور اِس سے بدبو دور سے آ رہی ہے کبھی اس نے ہاتھ منہ تک نہیں دھویا تو یہ کون سا کلام اس نے پڑھا۔ میں نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا تو فرمانے لگے کہ ان لوگوں نے

کفریہ کلمات یاد کر رکھے ہوتے ہیں اور اُن کے نتیجے میں جس حد تک ممکن ہو شیطان ان سے تعاون کرتا ہے اور اس طرح کی چیزیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں چونکہ سانپ پر اُس کا زیادہ بس چلتا ہے لہذا اُس نے سانپ کو بے بس کر دیا کہ اس کے کمال کا اظہار ہو لوگ اس کے پیچھے لگیں اور لوگوں کا ایمان ضائع ہو۔

تو جو کلمات خلافِ اسلام ہوتے ہیں یا جو وظیفے خلافِ اسلام ہوتے ہیں یا جو چلّے خلافِ اسلام ہوتے ہیں اُن سے استدراج حاصل ہوتا ہے اور وہ کافر کو بھی ہو سکتا ہے جس میں زمینی امور گزشتہ واقعات یا آئندہ واقعات میں جھانک لینا وہ امور جو آپ سائنسی آلات سے دیکھ سکتے ہیں وہ امور جو آپ بندہ بھیج کر پتہ کرا سکتے ہیں وہ اس طرح کے لوگ اپنے اندر جھانک کر معلوم کر لیتے ہیں اُن چیزوں تک نہیں رسائی ہو جاتی ہے لیکن آسمانوں سے اوپر یا برزخ میں نہیں جھانک سکتے۔ لاتفتح لھم ابواب السماء ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے برزخ کا پردہ ان کے لئے نہیں ہٹتا جس دل میں نورِ ایمان ہو یہ نعمت اُسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔ لہذا ایک تو یہ مغالطہ ہے۔

دوسرا بڑا مغالطہ جو میں عرض کر رہا تھا بڑے چوٹی کے اولیاء اللہ ہمیں ملتے ہیں جو تارک الدنیا ہو کر جنگلوں میں جا بسے لیکن اُن کی تاریخ پڑھی جائے تو وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک انسانوں کے ہجوم جمع ہو گئے حاسدوں نے حکمرانوں کو شکایت کی، بادشاہوں نے اپنے لئے خطرہ سمجھ کر شہر بدر کر دیا۔ اور لوگوں پر پابندی لگا دی کہ کوئی اُن سے ملنے بھی نہیں جا سکتا۔ ایسے لوگوں میں خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ، خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ جیسے نام ملتے ہیں لیکن حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے منازل بہت بلند ہیں لیکن جب سے آبادیوں سے الگ ہوئے اور تنہا رہ گئے تو جس مقام پر تھے اُسی مقام پر اُن کا وصال ہوا ذکر اور عبادت تو پہلے

سے زیادہ کرتے رہے لیکن منازل میں ترقی نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ ترقیِ درجات کا سبب معاملات پر ہے جب معاملات ہی ختم ہو گئے تو دل میں گہرائی اور گیرائی تو پیدا ہوتی رہی لیکن ترقی درجات تو معاملات پر رکھی ہے قدرت نے تو جب انہیں عملی زندگی سے الگ کر دیا گیا اُن کے منازل وہیں رُک گئے لہذا یہ یاد رکھیں جتنا کامل کوئی ولی اللہ ہوگا اتنا وہ عام آدمی نظر آئے گا یہ دلیل ہے۔ محققین نے فرمایا۔

چوں بمنزل می رسد اسوار پیادہ می شود

جب منزل پر پہنچ جاتا ہے تو سوار بھی پیدل ہو جاتا ہے سواری سے اُتر جاتا ہے عام آدمیوں کی طرح ہو جاتا ہے آپ اسی پہ نہ رہیں کہ فلاں گھوڑا دوڑا رہا ہے تو وہ منزل رسید ہے جو منزل رسیدہ ہوگا وہ عام آدمیوں میں کہیں بیٹھا ہوگا جبکہ ہمارے ہاں ولی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اب نارمل نہ ہو عام آدمیوں جیسا نہ ہو اور یہ انتہائی مشکل کام ہے کہ کسی کے پاس منازل سلوک بھی ہوں، قربِ الٰہی بھی ہو، دردِ دل بھی ہو، اور وہ عام آدمیوں میں بھی ہو یہ خالص سنت ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی۔ کون ہے جو اُن عظمتوں کو سمجھ سکے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھیں اور جب آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں تشریف فرما ہوتے تھے تو صحابہؓ آپ ﷺ پر چادر تان لیتے تھے کہ آنیوالے کو پتہ چل جائے کہ یہ محمد ﷺ ہیں ورنہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کون ہیں نبی اکرم ﷺ کاروبارِ حیات میں شریک ہوتے تھے مسجد نبوی کی تعمیر میں دوشہ مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر ڈھو رہے تھے لشکر کا پڑاؤ ہوتا تھا تو جہاں آگ جلانے کے لئے صحابہ لکڑیاں چُن رہے ہوتے تھے نبی کریم ﷺ بھی لکڑیاں چُن رہے ہوتے تھے آگ جلانے میں مدد فرما رہے ہوتے تھے۔ یعنی کمال یہ تھا کہ ایک طرف کوئی لمحہ ایسا نہیں جب آپ ﷺ بارگاہ الوہیت میں حاضر نہ ہوں اور دوسری طرف کوئی لمحہ ایسا نہیں جب آپ ﷺ مخلوق کے ساتھ نہ ہوں زندگی کا کوئی لمحہ سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا بات معاملات اتنے اتنے عام درجے پر ہیں حضور ﷺ کے کہ ہر بندہ مکلف ہے اتباع کا۔ اگر بہت خاص درجے پر ہوتے تو صرف خاص

لوگ مکلف ہوتے سنت کی اتباع کے لئے لیکن ہر انپڑھ ہر جاہل، ہر فقیر، ہر غریب بھی مکلف ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا اس لئے کہ آپ ﷺ کی زندگی ایسی تھی جس پہ ایک عام سے عام آدمی بھی جس طرح زندہ رہ سکتا ہے اور یہی کمال ہے کہ قلب اطہر ﷺ کا رشتہ تو ناقص وضو نیند بھی نہ ہو کہ بدن سو جائے تو بھی اللہ کے ساتھ دل کا تعلق ویسا ہی، حضوری ویسی ہی ہو اور عملی زندگی ایسی ہو کہ عام آدمی اُس کا مکلف ہو جائے۔ سو ولی کامل کی پہچان بھی یہی ہے کہ کوئی پاس بیٹھے تو اُسے بھی اللہ یاد آ جائے اور یہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہچان بتائی ہے۔ یہ سوال بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے بعد تو آپ ﷺ فرماتے ہیں امت میں اولیاء اللہ ہوں گے اہل اللہ ہوں گے جو اصلاح کا سبب نہیں بنیں گے لیکن کیسے پتہ چلے گا کہ یہ ولی اللہ ہے فرمایا جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی یاد آ جائے وہ ولی اللہ ہوتا ہے یہ نہیں فرمایا جس کے پاس جاؤ۔ دولت مل جائے جس کے پاس جاؤ بیماری ٹھیک ہو جائے جس کے پاس جاؤ اولاد مل جائے یہ نہیں فرمایا ایسا شخص جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آئے وہ ولی اللہ ہوگا۔ پہچان یہ ہے کہ آپ کسی کے دامن سے وابستہ ہوں تو آپ کے دل میں اللہ کی محبت آئے اُس کی آگے پہچان یہ ہے۔ یُخرِجُھُم مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّور اللہ سے جن کا تعلق ہو جاتا ہے وہ انہیں تاریکی سے نور کی طرف لانا شروع کر دیتا ہے گناہ کم ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور نیکیاں بڑھنا شروع ہو جاتی ہیں نیکی کرنے کو جی چاہتا ہے گناہ سے بچنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ اس سارے عالم میں اور آج کے عہد میں میرا اپنا ایمان ہے کہ یہ افضل ترین جہاد ہے کہ اس تزکیے کے عمل کو اس عہد میں زندہ رکھا جائے اور کسی بھی عام مسلمان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا کر دی جائے سارے بایزید بسطامی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امت میں اولیاء اللہ ہوں گے اہل اللہ ہوں گے جو اصلاح کا سبب بنیں گے فرمایا جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی یاد آجائے وہ ولی اللہ ہوتا ہے

اور رومی اور رازی تو نہیں بنتے لیکن جو پچاس گناہ کرتا ہے اگر وہ چالیس پہ آ جائے تو بھی اُس کا کتنا بھلا ہوگا۔ نیک تو نیک ہوتے ہی ہیں۔

ایک آدمی فوت ہو گیا حضرتؒ کی خدمت میں ہم حاضر تھے کسی نے اُس کی وفات کی اطلاع دی تو آپؒ نے فرمایا اللہ پاک مغفرت فرمائے نیک آدمی تھا قاضی صاب پاس بیٹھے ہوئے تھے تو وہ عرض کرنے لگے کہ حضرتؒ وہ بے نماز تھا آپؒ کہتے ہیں نیک آدمی تھا۔ فرمایا قاضی صاحب جو نیکیاں کر کے نیک کہلاتے تھے اُن کا دور بیت گیا اب جو آدمی صاحب استطاعت ہو اور بُرائی نہ کرے میں اُسے نیک سمجھتا ہوں۔ یعنی آپ جس زمانے کی بات کر رہے ہیں کہ لوگ نیکیاں کرتے تھے تو نیک کہلاتے تھے وہ دور تو گزر گیا۔ آپؒ نے فرمایا میں تو اُسے نیک سمجھتا ہوں جو صاحب استطاعت ہو اور بُرائی نہ کرے دیکھو یہ کتنا بڑا زمیندار تھا لیکن اس سے کسی کو شکایت نہیں کسی کی بے عزتی نہیں کی کسی کا مال نہیں کھایا کسی سے زیادتی نہیں کی ہر کوئی اس کی شرافت کا قائل تھا میں اس لئے اسے نیک کہتا ہوں نمازیں پڑھتا تھا یا نہیں پڑھتا تھا یہ وہ جانے اور اُس کا رب۔

تو اس عہد میں جہاں دین بھی دنیا کا ذریعہ بن چکا ہے ہمارا زمانہ ایسا بدنصیب زمانہ ہے کہ اب ہم نے دین کو اپنی روزی کا ذریعہ بنا دیا ہے اور دین کو بیچ کر کھاتے ہیں جب ہم خود قیمتاً دین بیچتے ہیں تو جسے بیچتے ہیں کیا وہ دین دار ہو جائے گا اُس کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے تو دیکھ لو آج اگر پاکستان میں صرف جو حج کر کے آئے ہیں اُن کی اصلاح ہو جاتی ہے جو پیروں کے مرید ہیں اُن کی اصلاح ہو جاتی ہے جو علماء کے ساتھ وابستہ ہیں اُن کی اصلاح ہو جاتی ہے تو پیچھے باقی بچتا کون ہے پورا ملک نہ سُدھر گیا ہوتا ہم نے چونکہ دین کا بھی کاروبار بنا لیا حج کو بھی شہرت کا ذریعہ سمجھ لیا ہے بعض احباب نے صرف سیر سپاٹے اور کچھ تجارت کا ذریعہ بنا لیا ہے کوئی پکنک جا کر منا آیا اور لوگوں کی بھلا بھلی دیکھ آیا وہ بات نہیں رہی جو عبادت سے حاصل ہوتی تھی عبادت کا حاصل ہے توفیق عمل اور

ع۔ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

لہٰذا سلوک یہ ہے کہ آپ اللہ اللہ

کریں صفائے قلب حاصل کریں اور اُس صفائے قلب کا اظہار میدان عمل میں ہو کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ہماری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے باوجود اس کے کہ میں خود ایک خطا کار انسان ہوں میں بھی انسان ہوں فرشتہ نہیں ہوں لیکن میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ اللہ مجھے بھی گناہوں سے بچائے اور وابستگانِ سلسلہ کو بھی نیکی کی توفیق عطا کرے انہیں نیکی پہ استقامت دے۔

میری ہر دعا دو جملوں سے شروع ہوتی ہے یہ میرا معمول ہے پہلا جملہ میرا حضرتؒ کی ترقی درجات کے لئے ہوتا ہے اور دوسرا جملہ متعلقین کی استقامت کے لئے ہر دعا ہر ذکر کے بعد جو دعا بھی میں کرتا ہوں اُس میں میرا معمول یہ ہے کہ پہلا جملہ میرا حضرتؒ کی ترقی درجات کے لئے ہوتا ہے اس لئے کہ اُس شخص کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔

ع کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ۔

اور دوسرا جملہ احباب کی استقامت کے لئے ہوتا ہے اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر ساتھی کو اللہ بُرائی سے بچائے اور نیکی کی توفیق دے کسی سے غلطی ہو جائے تو میں اُس سے نفرت نہیں کرتا اُس کی غلطی سے نفرت کرتا ہوں اور اُس سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں میں نے کبھی کسی کو رد کرنے یا سلسلے سے نکالنے کی جرات نہیں کی اس لئے کہ وہ بے نیاز ہے اگر وہ مجھے اپنی بارگاہ سے نکال دے تو اُسے کون روکے گا۔ ہمارا کام اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے جو آ گیا وہ اچھا ہے یا بُرا وہ معاملہ ہمارا نہیں ہے وہ اُس کا ہے وہ جانے، اس کا بندہ جانے، ہمیں یہ جرات نہیں کرنی چاہئے کہ کسی کو یہ کہہ دیں مسجد سے نکل جاؤ کیا مسجد ہمارے باپ کی ہے۔

اِنَّ المساجِدَ اللہ۔ وہ تو اللہ کا گھر ہے اور ہم اُس دور میں آ گئے ہیں جس میں مساجد میں بھی گولیاں برسائی جاتی ہیں۔ اِس عہد میں ظُلم کی اس تاریکی میں اللہ اللہ کی شمع جلائے رکھنا اس عہد کا سب سے بڑا جہاد ہے اور میں سمجھتا ہوں سب سے بڑا مقام اور مرتبہ یہ ہے

کہ اللہ اس کی توفیق دے رکھے۔ یہ سب سے بڑی بات ہے تمام مراقبات سے اعلیٰ بات ہے اگر وہ آخرت میں کسی کے سارے مقامات سلب کر لے تو اُسے کون روکے گا اور کسی کو بے پناہ انعامات دے دے تو اُسے کون روکے گا لہذا بنیاد یہ ہے اس بات پہ قائم رہیے کہ اللہ نے جو دامن عطا کر دیا ہے یہ ہاتھ سے نہ چھوٹے اور کوشش کریں محبت اور پیار کے ساتھ دوسروں کو فتح کرنے کے لئے نہیں اس لئے نہیں کہ یہ تبلیغی جماعت کا تھا میں نے اُدھر سے چھڑا دیا اور ادھر سلسلے میں لے آیا یہ کوئی مقابلے کی بات نہیں ہے تبلیغی جماعت میں ہے تو کرے تبلیغ ہی کر رہا ہے کیا بُرائی کر رہا ہے کوئی مدرسے میں پڑھاتا ہے تو پڑھا رہا ہے کیا بُرائی کر رہا ہے جو جہاں ہے جیسا ہے وہ اللہ اللہ بھی ساتھ کرنے لگ جائے ہمیں لوگوں کو فتح نہیں کرنا بلکہ اپنی کارکردگی اپنے مالک کو دکھانی ہے کہ اے اللہ تیرا نام ہم نے منت کر کے، خوشامد کر کے، پیار سے محبت سے تیرے اتنے بندوں کو سکھا دیا شاید کسی کے طفیل ہماری نجات بھی ہو جائے۔

امورِ دنیا میں ہم تلقین کرتے ہیں بتاتے ہیں پڑھاتے ہیں بالغوں کے لئے کورس بنائے بچوں کے لئے تعلیمی نظام بنایا منتقل میگزین آتا ہے الحمدللہ اللہ کریم نے قرآن حکیم کی تفسیر لکھنے کی توفیق عطا فرمائی وہ جب چاہتا ہے تو اپنے نبی سے کلام فرمانے کے لئے اپنی تجلیات کو ایک درخت میں ظاہر کر دے۔ وہ آگ لینے گئے اور حیران ہو گئے یہ درخت کو کیا ہو رہا ہے فرمایا اِنّی انا اللہ۔ موسیٰ میں اللہ پروردگار عالم تم سے مخاطب ہوں یہ اُس کا اپنا کام ہے درخت میں تو کمال نہیں تھا ہم تو جو کچھ ہیں ہم جانتے ہیں لیکن یہ اُس کا کرم ہے کہ اُس نے قرآن حکیم کی تفسیر لکھنے کی توفیق عطا فرمائی کسی کا بھلا ہو گیا کسی کو ایک ایت سمجھ آ گئی کسی بندے نے کہیں سے کوئی مفہوم اخذ کر لیا تو اللہ کرے گا میری نجات کا سبب وہ بن جائے گا کسی کا تو بھلا ہو گا یہ اُس کا احسان ہے یہ بھی اُس کا احسان ہے کہ ہر مہینے ہمارا مجلہ جو آتا ہے۔ وہ صرف بندے اور رب کے تعلقات پر بحث کرتا ہے۔ نہ اُس نے کبھی اشتہاروں کی کوشش کی ہے نہ اُس میں کبھی

سیاست میں کوئی بات کی ہے۔ نہ کسی غیر ضروری موضوع پہ کوئی بات۔ اُس کا اپنا ایک موضوع ہے بندے اور رب کے تعلقات اور اُس پہ اصرار کرتا رہتا ہے چونکہ وہ ہمارا ذریعہ آمدن نہیں ہے۔ ہمارا نظام تعلیم ہمارا ذریعہ آمدن نہیں ہے صرف یہ ہے کہ بچوں کو اُن کی اپنی شناخت اور اسلامی معلومات بھی فراہم کی جائیں اور الحمد للہ چل رہا ہے یہ معاشرے میں کرنے کے کام ہیں جو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کر رہا ہے نہ صرف ذکر اذکار کرا رہا ہے بلکہ عملی زندگی کے بہت سے پہلو اپنی حیثیت کے مطابق اُن میں بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ جہاد میں حصہ لیتا ہے ساتھی شہید ہوتے ہیں جہاں ضرورت پڑتی ہے مال دیتے ہیں دام درمے سخنے جو مدد مجاہدین کی ہو سکتی ہے وہ کرتے ہیں کہیں ہم یکسو نہیں ہیں کہ ایک ہی کام کر رہے ہوں تعلیمی میدان میں کام کر رہے ہیں عملی زندگی میں کام کر رہے ہیں جہاد میں شریک ہیں۔ جب سیاسیات کا مرحلہ آیا تو الاخوان کی بنیاد رکھی گئی الاخوان اور سلسلہ دو چیزیں نہیں ہیں ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں تو جب وہ ذکر اذکار دین کی تبلیغ میں آتی ہے تو نقشبندیہ اویسیہ بن کر کام کرتی ہے جب سیاسیات میں آتی ہے تو اپنے آپ کو الاخوان بتاتی ہے۔ الاخوان کی سیاست بھی اپنی طرح کی ہے مجھ پر یہ سوال بی بی سی والوں نے بھی کیا کہ آپ کی جماعت سیاسی ہے یا غیر سیاسی۔ میں نے کہا جی سیاسی بھی ہے اور غیر سیاسی بھی۔ وہ کیسے؟ میں نے کہا جی سیاست کا مفہوم ہوتا ہے ٹارگٹ ہوتا ہے منزل ہوتی ہے حصولِ اقتدار۔ ہماری منزل حصولِ اقتدار نہیں ہے اس اعتبار سے ہم غیر سیاسی ہیں اور سیاست کا مقصد ہوتا ہے ملکی انتظام اور نظم و نسق کی اصلاح اُس میں ہم بھرپور حصہ لیتے ہیں اس لئے ہم سیاسی ہیں ہمارا الاخوان کا منشور یہ ہے کہ حکومت جس کے پاس بھی ہو وہ لوگوں کی بھلائی کا کام کرے اور حکومتی

کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے۔ لہٰذا میری گزارش یہ ہے کہ اس طرح سے رہیے کہ آپ کو یہ احساس ہو کہ میں بیک وقت الاخوان بھی ہوں اور میں بیک وقت نقشبندی اویسی بھی ہوں۔ جہاں ذکر اذکار کی محفل ہوگی جہاں سلسلے کا کام ہوگا وہاں وہی سارے لوگ نقشبندی اویسی بن جائیں گے اُن میں کوئی خواہ الاخوان کا صدر ہو نائب صدر ہو سیکرٹری جنرل ہو عہدے دار ہو وہاں وہ نقشبندی اویسی اور ایک عام ساتھی ہوگا اور وہاں ذمہ داری ہوگی سلسلے کے ذمہ دار لوگوں کی اور جب کام ہوگا الاخوان کے پلیٹ فارم پر تو وہاں جب جمع ہوں گے تو سلسلے کا کوئی کتنا بڑا عہدے دار ہو وہاں اُس کا عہدہ نہیں آئے گا وہاں الاخوان کے عہدے دار کام کریں گے اور سلسلے کے عہدے دار ایک عام ساتھی کی طرح وہاں اپنا کردار ادا کریں گے بڑی سیدھی سی بات ہے۔ سلسلہ کا کام ہوگا تو الاخوان کے عہدے دار عام ساتھی ہوں گے اور الاخوان کا کام ہوگا تو وہ اُس کام کے ذمہ دار ہوں گے سلسلے کے لوگ وہاں عام ساتھی اور سپاہی کی طرح کام کریں گے۔ یاد رکھیں جو بھی الاخوان میں داخل ہوتا ہے بھرپور کوشش یہ کی جاتی ہے کہ اللہ اللہ بھی کرائی جائے ہم اُس پر اعتبار تب کرتے ہیں جب وہ ذکر بھی شروع کر لیتا ہے تو یہ ایک ہی سلسلے کے دو نام دو شعبوں کی وجہ سے ہیں ایک آدمی اگر ہل چلاتا ہے تو کاشتکار کہلاتا ہے وہی گاڑی چلانے لگ جائے تو ڈرائیور ہو جاتا ہے شخصیت تو نہیں بدلتی کام ہی بدلتا ہے اُس کام کے ساتھ نام بدل جاتا ہے تو جب آپ دین کی تبلیغ ذکر اذکار اصلاحِ احوال کی بات کرتے ہیں سنت اور قرآن کی بات کرتے ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کی بات کرتے ہیں ذکر کراتے ہیں مراقبات کراتے ہیں تو یہ سارا کام سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا ہے اور جو امراء یا صاحب مجاز یا جو بھی حضرات ذمہ دار ہیں سلسلے کے ذمہ داری اُن کی ہے کہ وہ کام کو سنبھالیں ترتیب دیں کرائیں الاخوان کا بڑے سے بڑا آدمی بھی وہاں ایک عام آدمی ہے جب بات سیاسیات کی آتی ہے الاخوان کی آتی ہے اُس کا جلسہ ہوتا ہے بات ہوتی ہے اُس کی اشاعت ہوتی ہے اُس کے آگے چلانے کی بات ہوتی ہے تو وہاں اُس

سلسلے کا بڑے سے بڑا ساتھی بھی ایک سپاہی ہے کہ یہ شعبہ اُن لوگوں کے سپرد ہے جو اُس شعبے کو سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں لہذا یہ غلط فہمی نکال دیں کہ یہ جی الاخوان والوں کا کام ہے وہ کرتے رہیں ہمیں کیا یہ سلسلے والوں کا کام ہے وہ کرتے رہیں ہمیں کیا ایسی بات نہیں ہے۔ ہمیں دونوں سے غرض ہے اور ہمیں کو دونوں طرف جانا ہے لہذا یہ کوشش کیجئے میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے گزشتہ پچاس سال کے سفر میں ہمارے پاس کوئی قابل ذکر سرمایہ نہیں ہے نصف صدی بڑا سفر ہوتا ہے جو ہم کر چکے اور نصف صدی سے چالیس برس بیالیس پینتالیس برس تو کم از کم ہو گئے پینتالیس برس بھی نصف صدی ہوتی ہے تو سلسلہ کو عام کئے ہوئے بھی تو پینتالیس برس تو ہوتے ہیں ان پینتالیس برسوں میں بڑا تیر جو ہم نے مارا وہ یہ ہے کہ ہم نے سلسلے کا نام گم نہیں ہونے دیا الحمد للہ سلسلہ چل رہا ہے کچھ لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ کچھ دلوں میں اللہ اللہ آ رہی ہے لیکن سلسلے کو پھیلانے کا قابل ذکر کام ہم نہیں کر سکے۔ اِسی طرح دس سال ہو گئے ہمیں الاخوان بنائے ہوئے دس سالوں کی ہماری ترقی یہ ہے کہ ہم نے الاخوان کا نام زندہ رکھا ہوا ہے اُسے بحیثیت ایک موثر جماعت کے ہم متعارف کروا رہے ہیں جہاں اور بہت سی کمزوریاں ہیں وہاں میں سمجھتا ہوں کہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے خود کو دو حصوں میں بانٹ لیا ہم کہتے ہیں الاخوان کا کام الاخوان والے کرتے رہیں میرا اُس سے کیا ہے اور الاخوان والا کہتا ہے سلسلے والے کرتے رہیں اُس سے بندہ پوچھے تم ذکر نہیں کرتے ہو تم سلسلے میں نہیں ہو سلسلے والے سے بندہ پوچھے کہ جہاں الاخوان جائے گی تم نہیں جاؤ گے بھئی ایک ہی فرد کے دو نام ہیں دو کاموں کی وجہ سے۔ جیسے وہ ہل چلا رہا ہے تو کاشتکار ہے گاڑی چلا رہا ہے تو ڈرائیور ہے وہ بندہ بدلا تو نہیں۔ اس طرح جماعت بدلی نہیں ہے کام کا شعبہ بدلا ہے۔ اور ہم مکلف ہیں اُس

سلوک یہ ہے کہ آپ اللہ اللہ کریں، صفائے قلب حاصل کریں اور اس صفائے قلب کا اظہار میدانِ عمل میں ہو۔

کے اور یہ سنت ہے آقائے نامدار ﷺ کی کہ ہم سیاسی حالات میں اپنا جہاں تک ممکن ہو وہاں تک ہم مکلف ہیں جو بات ہم سے ہمارے بس میں نہیں ہے اللہ پاک معاف فرمانے والے ہیں۔

دوسری بات جس کی طرف میں آپ کی متوجہ چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جماعتیں، سیاسیاست اور عمل اس سب کے لئے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے ہمارے ہاں نہ کوئی چندہ لگایا گیا اور نہ آئندہ لگانے کا کوئی پروگرام ہے محض اللہ کے بھروسے پر کام ہوتا ہے لیکن یہ یاد رکھیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بعض غزوات کے لئے چادر مبارک پھیلا دی تھی کہ جس میں جو توفیق ہے وہ حصہ لے دنیا عالمِ اسباب ہے اور اس میں اسباب کی ضرورت ہے۔ سالانہ تیس دن کا اجتماع تھا اور مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اُس میں بیشتر غلہ وہ تھا جو الحمد للہ مجھے اللہ نے دیا اپنے کھیتوں سے آیا کوئی پچیس بوریاں کسی ساتھی کو اللہ نے سعادت بخشی اُس نے دیں غلہ ہم نے وہ کھایا تیس دن جتنا گوشت پکا وہ جانور میرے اپنے پالتو تھے اور میرے اپنے ذاتی ریوڑ میں سے ذبح ہوتے رہے ہم نے قصاب سے گوشت نہیں لیا۔ اس کے باوجود کہ گوشت بھی اپنا تھا غلہ بھی اپنا تھا جماعت نے جو فنڈز جمع کرائے اُن میں سے چونتیس ہزار ایک مرتبہ انیس ہزار ایک مرتبہ ترپن ہزار مجھے اپنی جیب سے دینا پڑا یہ بجلی کے بلوں میں۔ اور لگ بھگ ساٹھ ہزار اپنی جیب سے دینا پڑا۔ جو پانی ٹریکٹر لاتے رہے چونکہ واٹر سپلائی بند تھی اور اجتماع تھا اور حاضری بہت زیادہ تھی الحمد للہ اور سارا دن ٹریکٹر اور وہ ٹینکیاں پانی ڈھوتی تھیں اور اُن کا کچھ ساٹھ ہزار روپیہ بنا۔ ساتھیوں نے جو فنڈز دیے ان میں وہ اتنے کم تھے کہ یہ رقم مجھے اپنی ذاتی جیب سے دینا پڑی۔ مجھے یہ فکر نہیں ہے کہ میری رقم کیوں لگ گئی میرا تو ہے ہی سب کچھ جماعت اور سلسلے کا۔ میں نے کبھی اپنے کو اپنا سمجھا نہیں ہے لیکن میں آپ کو متوجہ کرنا چاہ رہا ہوں کہ اس طرح زندگی بھر کام نہیں چل سکتے اِس طرح ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر بندہ دے لیکن جو صاحب حیثیت ہیں جو صاحب ثروت ہیں وہ

دین۔ آپ کا لاہور کا دفتر مجھ سے اخراجات لیتا ہے اور میرے خیال میں پچھلے دو سالوں میں وہ بائیس لاکھ روپیہ مجھ سے لے چکا ہے پہلے راولپنڈی دفتر خود کفیل تھا اب اُس کا بل بھی آجاتا ہے کہ جی آپ ہماری مدد بھی کریں اب ملتان والے دفتر کا بھی آیا کہ جی اپ ہماری مدد بھی کریں دوسرے دفاتر کراچی والوں کو اِس دفعہ کراچی کے دورے پر گئے تو کرنل صاحب موجود ہیں یہ ساٹھ ہزار کا کرایے کا بل میں نے اپنی جیب سے دیا مرکز کے پاس یا دفتر کے پاس آنے جانے والوں کے لئے کرایہ نہیں تھا جو ساٹھ ہزار کرایہ ہے وہ میں نے دیا باقی اخراجات انہوں نے دیے میں یہ نہیں کہہ رہا کہ میرے پیسے کیوں لگتے ہیں الحمدللہ اللہ قبول فرمائے آمین لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دنیا عالم اسباب ہے اور یہاں اسباب چاہیں جو جس کو توفیق ہو وہ مرکز کو اپنے سرمایے میں سے حصہ بھیجے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ لوگوں سے زکوۃ اکٹھی کریں لیکن الحمدللہ صاحب ثروت لوگ ہیں جماعت میں موجود ہیں جن میں میں بھی ہوں اور میں الحمدللہ ہر سال اپنی زکوۃ باقاعدہ جو زکوۃ کا فنڈز دارالعرفان کا ہے اُس میں جمع کرا دیتا ہے آپ جماعت کے احباب اپنی زکوۃ باقاعدہ جو زکوۃ کا فنڈ اُس زکوۃ فنڈز میں جمع کرا دیا کریں کہ جو فلاحی کاموں پہ مرکز جہاں خرچ کرتا ہے وہ جہاں زکوۃ کے مصارف ہیں وہاں خرچ ہوتی ہے اُس کا اکاؤنٹ بھی الگ ہے اُس کا حساب بھی الگ ہے بنک میں جمع ہو جاتی ہے اور اکاؤنٹ اکاؤنٹنٹ کے پاس ہوتا ہے۔ اس طرح میں جو جانور قربانی کرتا ہوں یہاں اُس کی کھال بیچ کر اُس کے پیسے اُس فلاحی فنڈ میں جمع کرا دیتا ہوں۔ آپ لوگ بھی کوشش کریں۔ دوسروں سے نہ مانگیں لیکن جو خود کرتے ہیں کم از کم اُس کا اکاؤنٹ نمبر اس سے لے لیں بے شک کلرک سے اکاؤنٹ نمبر لے لیں زکوۃ فنڈ کا اور فلاحی فنڈ کا اُس میں بھیج دیں اور جتنے مراکز ہیں اُس

ھمارا کام اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا ھے' جو آگیا وہ اچھا ھے یا بُرا وہ معاملہ ھمارا نہیں ھے، وہ اس کا اور اس کے رب کا ھے۔

کے دفاتر جو ہیں مراکز ہیں صوبائی مراکز ہیں وہ اپنے اپنے فنڈز ریز کریں تاکہ کم از کم جو ہم کام کرتے ہیں جلسے کرتے ہیں سفر کرتے ہیں دوسروں کے پاس جاتے ہیں کوئی ہمارے پاس آجاتا ہے تو اُس کے بیٹھنے اٹھنے کی جگہ اُس کے لئے چائے کا کوئی ایک کپ کہیں آنے جانے کا ایک بیت المال بنالیں جس میں کوئی استطاعت ہو اور جو باقاعدگی سے ان کاموں کا بوجھ اٹھا سکے۔ میرے خیال میں زندگی میں مجھے پہلی دفعہ تجربہ ہوا ہے کہ آنے والا جو فنڈ تھا وہ اتنا کم تھا پچھلے دو تین سالوں سے کم تو ہوتا ہے لیکن اتنا زیادہ کم نہیں ہوتا جتنا اس دفعہ تھا شاید لوگ لاتعلق ہوتے جارہے ہیں یا لاپرواہ ہوتے جارہے ہیں کہ چلے چلے نہ چلے تو نہ سہی تو میرے خیال میں یہ رویہ درست نہیں ہے۔

میں نے جو باتیں آپ سے کی ہیں ان کا لب لباب یہ ہے۔ آج تصوف شریعت کے خلاف نہیں شریعت کے تابع ہے اور کسی کام کا جواز سلوک کے کندھے پر بندوق رکھ کے نہیں بنایا جاسکتا شریعت مکمل ہے اور وہی ہے جو آقا ﷺ نے عطا فرمادی جتنی محنت مجاہدہ کریں گے اُس سے مراقبات نہیں ہوں گے جتنا عملی زندگی میں نیکی کریں گے اُس کا صلہ ملے گا الاخوان اور سلسلہ دو چیزیں نہیں ہیں کوشش کیجئے جو اللہ توفیق دے اپنے مال سے اس میں خرچ کیا کیجئے۔ اللہ کریم ہم سب کی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ ہمیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور جیسے کیسے ہم ہیں بے کس و بے حال ہمیں قبول فرمالے اِس ملک کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس پر دین برحق کی حکومت قائم فرمائے۔ آمین

عید پر جو قربانیاں دارالعرفان میں احباب کی طرف سے کی گئیں اُن کی تفصیل درج ذیل ھے

۱۔ حبیب عالم	انگلینڈ	۱۔ راس گائے
۲۔ تعظیم اکرم	انگلینڈ	۱۔ راس گائے
۳۔ ریاض رانا	انگلینڈ	۱۔ عدد قربانی
۴۔ سید عالم	انگلینڈ	۱۔ عدد قربانی
۵۔ ضمیر اعوان	انگلینڈ	۱۔ عدد قربانی
۶۔ نصرت اقبال	انگلینڈ	۱۔ عدد قربانی

ہوزری شٹل لیس لومز کیلئے بہترین اور معیاری دھاگہ

اسلم برانڈ یارن

ASLAM BRAND YARN

16/PC
22/PC
24/PC
26/PC
30/PC

اسلم ٹیکسٹائل ملز

667571
667572

ہیڈ آفس

پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد

تجلیاتِ شیخ

دراصل ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان قرین کے نام سے ہوتا ہے یہی قرین تمام علوم سفلیہ کے حصول کا منبع مدرسہ اور مدرس ہوتا ہے یہی قرین نفس انسانی میں پیدا شدہ خیالات اور ارادوں سے متاثر و متحرک ہو کر ابلیس کے مرکز کو اس نفس کی حالت ٹرانسمٹ کرتا ہے جہاں سے ابلیس کے لشکر اس شخص کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس انسان کو گمراہی میں ڈبونے کے لئے تمام لغزشی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ اس بُری خواہش کو مزید مضبوط کر کے عمل کی قوت کو دماغی محرکات کے ذریعے ہمت انسانی کو اس کام کے لئے قوی کرتے ہیں۔ اگر یہ خیالات اور ارادے نیک ہیں تو دماغی قوت کے ذریعے ہمت انسانی کو کمزور کر کے اس نیک عمل سے بے رغبت بناتے ہیں۔

سیّد عبدالودود شاہ

قرآن طہارت و پاکیزگی کے مطلوبہ درجے کو تزکیہ کہتا ہے' حدیث اسی کے حصول کے لئے طریقہ کار کو احسان کہتا ہے جسکا اعلیٰ درجہ کَاَنکَ تَرَاہُ اور ادنیٰ درجہ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ہے لیکن عجمی مترجمین' مصنفین و مولفین تزکیہ و احسان کا ترجمہ تصوف کے لفظ سے کرتے ہیں اس مترجم لفظ تصوف نے تزکیہ کے تصور اور اس کے طریقہ کار کو بہت ہی متنازعہ بنا دیا ہے۔ ورنہ اس کا مطلب و مراد تقویٰ کا وہ معیار حاصل کرنا ہے جس سے تصحیح عقائد' تصحیح اعمال اور تصحیح نیت و اخلاص حاصل ہو جائے اور یہی بعث نبوت کا مقصد ہوتا ہے۔ دراصل مذہبی داستان گوئی لوگوں کو ذوق رہا ہے۔ اس قسم کے لوگوں نے بے شمار بے بنیاد قسم کی کہانیاں گھڑیں اور ان کو سیرت کے نام پر پھیلایا یہ بے بنیاد قصے اسلامی کتابوں میں شامل ہوتے گئے اور واعظوں نے ان کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ اتنے زیادہ شائع ہو گئے کہ اب ان کو ختم کرنا ممکن نہیں۔ خصوصاً تصوف میں بے سروپا قسم کی کہانیاں عام ہیں کہیں کرامت کے طور پر اور کہیں کشف کے طور پر اور بدقسمتی سے ایسے لوگ بہت کم ہیں جو یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ ایسے موضوع پر سلامتی طبع کے ساتھ اظہار خیال کر سکیں۔ جو ان کے سماجی ماحول کے تعصبات سے ٹکراتا ہو اس کے علاوہ اختلاف رائے ایک اور چیز ہے اور طعن ایک اور شے ہے۔ دلیل کے ساتھ اختلاف نہ صرف جائز بلکہ مفید ہوتا ہے مگر بے دلیل الزام لگانا عیب جوئی ہے یعنی تنقید اچھی بات ہے اور تعیب بری بات ہے مگر اس کا اصول یہ ہے کہ موجودہ لوگوں کے بارے میں تحقیر کے بغیر بولو اور قدیم لوگوں کے بُت بنائے بغیر ان کے بارے میں کلام کرو بہرحال موجودہ زمانہ میں مصلحت پسندی ایک مذہب بن گیا ہے کبھی ذاتی' کبھی سیاسی' کبھی معاشی' کبھی مذہبی' کبھی ماحول و حالات یا واقعات ہمیں حق پرستی کی بجائے مصلحت پسندی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت پسندی ایک اصطلاح' ایک مذہب یا ایک رویہ بن گئی ہے۔ بہرحال تصوف و سیر و سلوک جو شرائط کے ساتھ انسان کو انسانیت کے معراج پہنچاتی ہے مگر بدقسمتی اس کی معاشرتی عزت اور وقار اور معاشی فوائد کی وجہ سے دنیا داروں اور جاہ پسندوں نے ایک مخصوص لباس اور ایک خاص حلیہ سے منسلک کر دیا تو ایک طرف اس مخصوص لباس اور حلیہ رکھنے والے کسی کو بیٹا' کسی کو کارخانہ' کسی کو ملازمت اور کسی کی آسمانی بلائیں دور کرتے ہیں نظر آتے ہیں تو دوسری طرف چند چیتھڑوں میں بمشکل ملبوس چرس و شراب کے نشہ میں مدہوش قلندروں کی نقل اتارتے ہوئے لوح محفوظ میں ہذیانی گفتگو کے ذریعے سے تصرف کرتے نظر آتے ہیں اور عوام الناس ہیں کہ ان کو پوجتے ہوئے اور ان کو غوث زمانہ سمجھتے ہوئے ان پر نذرانوں کی بارش کرتے ہیں کیونکہ یہی غوث زمانہ بلکہ رسوائے شریعت نہ کسی کو عقیدہ' عمل اور اخلاص شریعت کے مطابق رکھنے کی تبلیغ کرتے ہیں اور نہ عمل کا حکم دیتے ہیں بلکہ مریدوں کی ذہنی و معاشرتی و معاشی حیثیتوں کے مطابق وحدت الوجود کے بارے میں ہذیانی گفتگو سے عوام الناس کو شرعی پابندی سے آزاد کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

لفظ تصوف کے ماخذ منبع اور تاریخ کے بارے میں بے شمار تصانیف صوفیاء عظام سے منسوب ہیں' لیکن ان میں بہت ہی کم کتابیں صوفیاء کرام کی

اپنی تصنیف ہیں بلکہ اکثر کتب صوفیاء کے نااہل معتقدین نے لکھ کر ان میں ان سے بے سروپا باتیں کرامات کے نام سے منسوب کی ہیں اور ان ہی بے سروپا کے قصوں کو بنیاد بنا کر ناقدین تصوف نے ان کی جعلی کتابوں میں مزید تدلیس کر کے اور پھر نقل کر کے اعتراضات کئے ہیں اور رہی سہی کسر کم فہم واعظین، روافض اور اسلام دشمن عناصر نے تصوف کی کتابوں میں تدلیس کر کے پوری کر دی ہے اسلام دشمن عناصر قرآن وحدیث میں تدلیس نہیں کر سکتے تھے کیونکہ مفسرین محدثین اور محققین کا ایک پورا طبقہ ہر علاقے میں موجود ہوا کرتا تھا جو اس تدلیس کا فوری نوٹس لیتے تھے اور آئندہ کیلئے اس کا سدباب کرتے تھے اس طرح قرآن وحدیث میں تدلیس رواج پا نہ سکا لیکن بدقسمتی سے تزکیہ وتصوف کے کتابوں میں تدلیس کا اس طرح سدباب نہ ہو سکا جسکے بے شمار اسباب میں ایک سبب امت کے ایک کثیر طبقے کی اندھی عقیدت بھی ہے جس کی وجہ سے تصوف کی کتابوں میں ہر قسم کے خرافات اس حد تک شامل ہو گئے کہ اب اسکی نشاندہی بھی صرف ماہرین ہی کر سکتے ہیں جو آجکل کم یاب ہیں جس کی وجہ سے تصوف کی حقیقت جو تزکیہ واحسان سے عبارت تھی اور جو تعمیر انسانیت کی خشت اول تھی اسکی حقیقت عوام کی نظر سے اوجھل کر دی گئی ہے۔ تصوف کی تاریخ، حقیقت اور تدلیس ایک علیحدہ تحقیق کا متقاضی ہے جو اس وقت میرا مطمح نظر نہیں۔ ان ہی حالات میں لفظ تصوف بطور غلط العام مشہور ہو گیا اور یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ قرآن میں فطری حکمت تلاش کرنا ایمان مضبوط کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے لیکن نرے مصنوعی باریکیاں تلاش کرنا دماغی ورزش ہے۔

قرونِ الی میں پہلا مزاج حاوی تھا اور قرون ثانی میں دوسرا مزاج حاوی ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اسلام میں فرقے پیدا ہو گئے اور مزید بدقسمتی یہ ہوگئی کہ اس دور میں برائیاں دیکھنا بھی پڑتی ہے اور بھگتنا بھی پڑتا ہے۔ ہمیں پہلے ان برائیوں کا علاج کرنا چاہئے جو ہم بھگت رہے ہیں مگر بدقسمتی

جب تزکیہ ہی کے ذریعے دور اول میں اسلام کے پھیلنے کا کام ہوا جس کا آلہ دعوت تھی اور دنیا کے نظاموں میں اسلام واحد مذہب ہے کہ جو نفی سے شروع کر کے ایجاب پر ختم کرتا ہے جس کے نتیجے میں سیاسی غلبہ بھی حاصل ہوا اور اسلام اپنی اس دعوت وتبلیغ سے آگے بڑھتا گیا۔

ہم دوسری قسم کی برائیاں بیان کرنے میں اپنا قوت صرف کر رہے ہیں جس سے مسلم امت کی قوتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ جبکہ تزکیہ ہی کے ذریعے دور اول میں اسلام کے پھیلنے کا کام ہوا جس کا آلہ دعوت تھی اور دنیا کے نظاموں میں اسلام واحد مذہب ہے کہ جو نفی سے شروع کر کے ایجاب پر ختم کرتا ہے جس کے نتیجے میں سیاسی غلبہ بھی حاصل ہوا اور اسلام اپنی دعوت وتبلیغ سے آگے بڑھتا گیا مگر جب مسلمانوں نے قومیت کے نام پر اسلام کی تبلیغ شروع کی تو مسلمان کمزور اور اسلام پس منظر میں چلا گیا۔ کیونکہ دعوت وتبلیغ کی بنیاد محبت پر اور قومیت کی بنیاد نفرت پر ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے اسلامی حکومتوں پر زوال آیا تو نوآبادیاتی خلاف اسلام قوتوں نے اس زوال کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ جس کے پہلے دور یعنی ۱۴۰۰ سے ۱۷۹۰ میں اسلام صرف ذاتی زندگی تک محدود مذہب بنایا گیا اور اس کے ہر ذریعہ نشر واشاعت سے تشہیر کی گئی غیر مسلم تہذیبوں میں نت نئی ایجادات ودیافتوں نے معاشی مارکیٹوں کو قبضہ کرنے کے لئے اور سیاسی غلبہ کے لئے فتوحات کیں اس سیاسی غلبہ اور بے پناہ خلاف اسلام تشہیر نے مسلم امت کی اکثریت کے ذہنوں کو غلام بنایا۔ دوسرے دور میں صنعت کاری کو ترقی دی گئی اور مسلم وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے قومی حکومتیں اور قومیت کو فروغ دیا گیا۔ تیسرے دور میں کارپوریٹ ادارے قائم کئے گئے۔ عالم سرمایہ داری کو فروغ دیا اور اسی طرح مفادات کی جنگ سوشلسٹ اور سرمایہ داری کے نام پر شروع کی گئی اور اب Globalisation کے نام پر مسلم مذہب ومعاشرہ کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی معاشی آمدنی اور معدنی ذرائع کو قابو کیا جا رہا ہے مسلم ممالک کو آپس میں ٹکرایا جا رہا ہے اور خلاف اسلامی تہذیب انفارمیشن ٹیکنالوجی اسلام ہی کے خلاف استعمال ہو رہی ہے اور خود کو اقتصادی ضرورتوں کی بنیاد پر منظم ومتحد کر کے ایک اقتصادی ریاست بنا رہے ہیں مسلم امت کی وحدت کو تصور قوم کے ذریعے تباہ کر دیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے لسانی، نسلی علاقائی، قبائلی اور دیگر تعصبات نے مسلم امت کی مرکزیت کو ختم کر دیا ہے۔

تزکیہ کی راہ کو اصطلاح میں سلوک کہتے

ہیں اور یہ وہ راہ ہے جس کو شب معراج آپ ﷺ نے جسمانی طور پر طے فرمائی ہے' سالکین تزکیہ پانے کے لئے اسی راہ پر چل کر سلوک کے اعلیٰ مقامات پر پہنچتے ہیں جو زمان و مکان کے مباحثوں کا منبع ہے یہی سالک کی قلبی کیفیات روحانی صورت اختیار کر کے شرح صدر کا سبب بنتی ہے یہی علوم الٰہیہ کے نزول کا مقام ہے جسکو اصطلاح میں علم لدنی کہا جاتا ہے یہی پر توحید کی حقیقت کھل جاتی ہے تشبیہ و تنزیہ کے حقیقت جان جاتا ہے موجود و معدوم کا راز کھل جاتا ہے حقیقت انسانی کو پا جاتا ہے اگر کبھی کائنات کے قیام و نظام پر نظر پڑی تو عالم اسباب میں خطیرۃ القدس کے مقدس ارواح کا تصرف بواسطہ تجلیات حقیقت محمدیہ اور مشیت الٰہی کا ارتباط جان جاتا ہے اور محسوس ہو سکتا ہے کہ کس طرح مشیت الٰہی تجلیات ربانی پر سفر کرتے ہوئے حقیقت رحمت اللعالمین کو آلہ بناتے ہوئے خطیرۃ القدس کی مقدس ارواح میں ہل چل مچا دیتے ہیں یہی پر جبر و اختیار کی حقیقت کا علم ہو جاتا ہے۔

مقامات کے نام و نشان تو بتائے نہیں جا سکتے ہیں ہاں اشارۃً ذکر کیا جاتا ہے واقف سمجھ جائیں گے اور ناواقف اپنے اپنے فہم کے مطابق ردعمل کا اظہار کرتے رہیں گے اور یہ بھی اس لئے بتانا پڑا کہ آج کل تصوف کے بارے میں جتنی کتابیں ہیں وہ یا تو تصوف کے فضائل' اس کے حصول کے اصول اور طریقہ کار یا اس راہ پر چلتے ہوئے۔ کیفیات کے بارے میں ہیں۔ خود سیر و سلوک کیا ہے اس کے بارے میں مکمل خاموشی ہے۔ اس لئے سیر و سلوک کے مقامات کے بارے میں اشارہ کئے دیتا ہوں۔ دراصل رہنما کی زیر نگرانی نبوت کی زمین اور تجلیات ذاتی میں ساتوں مقامات پر ڈوب کر پچاس ہزار سالہ سفر پر روانہ ہو جاؤ' پندرہ ہزار سالہ سفر میں عالم ملکوت و مثال و ارواح کے پہلے اور آخری مسجود ملائکہ سے گزر کر عالم جبروت کی ابتدا ہی میں واقع درخت اس پر لگے ہوئے سرخ سنہرے سبز اور سفید قمقموں اور مقدرات پر طائرانہ نظر ڈالتے

ہوئے سفید بادلوں میں پہنچ جاؤ' ذرا تو رکو' دم تو لو' سفر دراز بہت ہے چلو سبزے سے گزر کر سرخ سنہرے بادلوں پر پہنچ جاؤ' یہاں پر عشق و محبت کے تین طاقوں کو اپنے ظاہر و باطن پر سجا کر سجدہ ریز ہو کر ہست کر نیست اور نیست کو نیست تر کر کے بقائے ہوش کے ساتھ مزید سوا لاکھ منازل طے کر لو جس کی صرف پہلی منزل میں چودہ ہزار پردے ہیں اور ہر منزل پر اس میں ہزار ہزار بڑھاتے جاؤ احتیاط سے رہو یہ فاصلے' منازل اور یہ رنگینیاں کہیں تمہیں پاگل نہ بنائے' آگے جا کر اس سامنے کے دریا کو تیر کر اس نور کے آبادی سے گزر کر مسجود خلائق کی تین ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے جنت ارضی کے تینوں مقامات سے ایٹمی ایندھن لے کر اب نو براعظموں کے سفر پر روانہ ہو جاؤ جہاں کا ہر براعظم سوا لاکھ منازل پر مشتمل اور سوا لاکھ سالوں پر محیط ہے سفر طویل تو بہت ہے مگر اللہ اللہ' کمالات شیخ کی بھی کوئی حد ہے؟ عالم تخلیق کو بھلا نگلتے ہوئے تھوڑا دم تو لو تھک تو بہت گئے ہو نگے مگر خیر اب تقرب تو کل صبر و تسلیم خلہ و محبیت و محبوبیت و حب صرفہ و رضا کے بحروں سے ایک ایک گھونٹ پی کر کمالات نبوت و رسالت و اولوالعزمی کو رہنما' حقیقت نبوت و رسالت و اولوالعزمی کا ٹارچ لے کر صلوٰۃ کے گھوڑے پر حقیقت کعبہ کی طرف قیوم و فرد قطب وحدت و صدیق کی یونیفارم میں سلوک نبوت میں داخل ہو کر قرب نبوت و رسالت اولوالعزمی و قرب محمدی، وصال محمدی کو مشعل راہ بنا کر حقیقت قرآن کو ہاتھ میں لے کر' رضا و قرب و وصال الٰہی کو معیار' قرب رحمت کے وصول کیلئے بحر رحمت میں غوطہ زن ہو کر خزانہ کو منبع رحمت سے پا کر تیرتے ہوئے عبدیت کی کشتی میں سوار ہو جاؤ بس امتی کا آخری رتبہ یہی ہے۔ اب بس بھی کرو کہیں عشق اپنی انتہا پر پہنچ کر گستاخی نہ بنے مگر کیا کیا جائے عشق حسن کے بلانے پر چلتا رہے گا مقامات اس سے آگے بھی ہیں جسکا ذکر اشارۃً بھی نہیں کیا جا سکتا ہے بس تدبیر کو تقدیر کے حوالے کرو اگرچہ تقدیر ہر کسی کی ہر خواہش کا ہر وقت احترام نہیں کرتی ہے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

اور ان ہی اعلیٰ منازل سلوک کے طالبین کو مناصب تکوین سے نوازا جاتا ہے جو آج کل کم علمی، غلط فہمی اور اندھی عقیدت کی وجہ سے یا تو بچوں کا کھیل سمجھا جاتا ہے اور یا شریعت مطہرہ کے متوازی ایک نظام اور یہ دونوں تصورات حقیقت سے دور اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ ان ہی حقائق و معارف کے سمجھنے کیلئے ان کا پس منظر اور پیش منظر شریعت مطہرہ کی تعلیمات کے اندر مختصر طور پر کرنا چاہتا ہوں، جو حقیقت انسانی اور حقیقت نبوت کو صحیح طور پر واضح اور ثابت کرتی ہے۔

انسان کی اپنی حقیقت قرآن کریم سے ثابت ہے کہ انسان روح و جسم کا امیزہ ہے، ان میں جسم دراصل عناصر اربعہ یعنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی کے مختلف ایٹم سے مل کر بنا ہے، ان عناصر کے ایٹم کی تعداد اور ان ایٹموں کی قوتوں میں فرق کی وجہ سے جمادات نباتات حیوانات اور انسان ایک دوسرے سے ممیز ہو گئے، اسلئے ہر انسان دوسرے انسان سے شکل وصورت میں، مزاج میں اور استعدادوں میں مختلف ہیں اور یہی صوفیا کی انفرادی تربیت کی اصل ہے، ان مادی عناصر کے باہمی ترکیبی امتزاجی کے نتیجے کے طور پر انسان میں مزید دو اضافی قوتیں یعنی روح حیوانی اور نفس جنم لیتا ہے، روح حیوانی کی مختلف قوتوں کی وجہ سے اس کی اقسام روح نباتی، روح جمادی، روح حیوانی اور روح حیوانی انسانی بنتی ہے جس میں روح حیوانی کا کام یہ ہے کہ نہ صرف اس جسمانی وجود کو زندہ رکھے بلکہ اس مادی جسم اور اپنے اندر ہر وقت اتنی مقناطیسی قوت ضرور رکھے کہ یہ روح علوی کو سہار سکے ورنہ جب بھی اور جس وقت روح حیوانی اپنی یہ مقناطیسی قوت اور گرفت کھو دے تو روح علوی کا جسم مادی سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور نتیجے کے طور پر جسم پر موت طاری ہو جاتی ہے، قوت، عمل اور حس وادراک کی بنیاد پر علماء حق اور فلاسفروں نے روح حیوانی کی مختلف اقسام مقرر کی ہیں جو ہر فلسفہ کے مابعد الطبعیات کی کتابوں میں عام ملتے ہیں۔ اس میں نفس جسمانی

ضرورتوں اور سہولتوں کے لئے تحریک دیتا ہے، اور روح حیوانی جسمانی دفاع کے لئے دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے حس وادراک پیدا کرتی ہے، جو اعضاء و جوارح جسمانی دماغ کی ہدایات کے تحت پوری کرتی ہے۔ روح حیوانی اور نفس کی باہمی ترکیب امتزاجی سے جسم میں حس وادراک کی تین قوتیں عقلیہ، قوت غضبیہ اور قوت شہویہ کے فطری اصولوں یعنی دفع مضرت وجلب منفعت مظاہر نمودار ہو جاتے ہیں اصطلاح میں کہا جا سکتا ہے کہ یہی تین قوتیں روح حیوانی کی تجلیات ہیں جو دماغ پر پڑتی ہے جس سے جسم کی حس وادراک وشعور کی دنیا آباد رہتی ہے فطری طور پر نفس انسانی کو دو قوتیں دی گئی ہیں ایک کو قوت نظریہ یا قوت علمیہ یا قوت فکریہ یا قوت اعتقاد، یہ کہا جاتا ہے۔ اس قوت کا خاص کام علمی امور کا جاننا، اس پر غور کرنا، کائنات اور خالق کائنات کے احوال کو پہنچاننا اور سمجھنا، علوم سفلی طبعی ہوں یا علوی یا الٰہی یا فوق الطبیعاتی ہوں ان سب کا حصول اس وقت سے ہوتا ہے مگر عملی علوم کی تحصیل اس قوت سے نہیں ہوتی، اور دوسری قوت علمیہ کہلائی جاتی ہے جو سارے اخلاقی سماجی، تمدنی، سیاسی علوم و معارف اس قوت سے ہے۔ ان دونوں قوتوں کے استدلال کے بعد نفس انسانی نفس پاکیزہ بن جاتا ہے اور اگر ان قوتوں کی تکمیل نہ ہوگی تو اتنی کثافت نفس میں رہے گی اگر خالق کائنات تخلیق کائنات ترتیب ونظم و مال کائنات کا علم ہو جائے اور کائنات کی ہستی وصفات کے متعلق علم میں غلطی نہ ہو تو نظریہ علمی کی یہ معراج ہے نفس کا فکری رُخ روشن ہو جاتا ہے اور اس کے عقائد کے آئینے پر کوئی میل نہیں رہتی ہے، اس کی عقلی نظر پاک ہو جاتی ہے، اس کے بعد اخلاقی سماجی اور معاشرتی امور میں غلطی نہ ہو، اعمال حسنہ وقبیحہ کو جاننے لگے، اس کے اعمال صحیح ہو جائے اور اللہ کے قائم کردہ ضوابط خیر وشر کو جاننے کے بعد اس کا پابند ہو جائے تو قوت عملیہ بھی اونچی چھوٹی پر پہنچ جاتی ہے، اور نفس کا عملی رُخ بھی پاک ہو جاتا ہے، اس قوت عملیہ وعلمیہ کے مطابق نفس کے درجات مقرر ہوتے ہیں جس سے تزکیہ کے مدارج پیدا ہوتے ہیں۔ جس کا تفصیلی ذکر آ رہا ہے۔

بہر حال عالم اسباب میں اختیار شدہ رویہ

اور عمل انسانی کردار پر آگ یا ہوا یا پانی یا مٹی کی خصلتیں طاری کرتی ہے یعنی جس قسم کا انسانی کردار ہوتا ہے اسی عنصر کی مناسبت سے اس کے طبعی خواص اس جسم کے ارادوں وافعال پر طاری ہو جاتے ہیں۔ یعنی عمل اور ردعمل کے اصول کار فرما ہوتے ہیں یہاں ہر یہ بات مدنظر رہے کہ انسان کو اس دنیا میں آزادی ہے۔ مگر اختیار ہرگز نہیں اگر انسان اس حقیقت کو پالے تو سرکشی ہرگز نہ کرے مگر استطاعت اور قدرت وہ صفات ہیں جن کے ذریعے انسان اختیاری افعال سرانجام دیتا ہے یعنی استطاعت فعل عبد کی علت عادیہ ہے لیکن جمہور کے نزدیک استطاعت ادائے فعل کی شرط ہی علت نہیں یعنی کہ جس وقت کوئی کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور پہلے سے اسباب اور آلات فراہم ہیں تو اللہ اس کے اندر ہی صفات پیدا کرتا ہے جس کی موجودگی میں کام ہو جاتا ہے اسی کو توفیق کہتے ہیں۔ تحریکات کے مطابق اور روح حیوانی کے حس وادراک کی قوت، جسم کی ضروریات یا سہولیات کے لئے دماغ حصول منفعت اور دفع مضرت کے اصولوں کے مطابق ان تینوں قوتوں کا استعمال اعضاء اور جوارح سے کراتا ہے مگر ان عناصر اربعہ کی اپنی طبیعی فطرت کے زیر اثر قوتوں کا ظہور افراط یا تفریط میں ہو جاتا ہے، جب کہ معراج انسانیت کے حصول کے لئے مطلوبہ درجہ اعتدال ہی کا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات وتربیت کا مطلوب ومقصود ہوتا ہے۔ چونکہ جسم مادی عناصر سے مل کر بنا ہے اس لئے انسان کی تمام ضرورتوں کا مرکز ومنبع زمین ہے اور زمین ہی سے اپنی ضرورتوں کی تکمیل اور سہولتوں کا شعور انسان میں تخلیقی طور پر موجود ہے دماغی ہدایات کے مطابق انسان اپنے اعضاء وجوارح کو کام میں لاکر اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہے یہ بات مدنظر رہے کہ تکمیل ضروریات میں انسان باقی حیوانات کے مانند ہے ہاں سہولیات کے فراہمی، دست یابی اور فیض یابی میں باقی مخلوقات سے ممتاز ہے کیونکہ اس کی دماغی تخلیق باقی تمام مخلوقات سے ہر صورت میں بہتر ہوتی ہے نہ کہ

انسانی کردار بہت موثر ہوتا ہے جس کا اثر بعد کی نسلوں پر بھی پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنی بدکردار قوم کی تباہی کی دُعا مانگی تھی

اپنی طبیعت میں جانوروں کی طرح گھاس خوری یا گوشت خوری پر مجبور ہے اور انکی فطرت نے انکے لئے حلال وحرام کا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے قرآن بار بار دماغی قوتوں کے استعمال کی دعوت دیتا ہے لیکن یہ بات ضرور مدنظر رہے کہ اس جسمانی حیات کیلئے ضروری ہے کہ عناصر اربعہ کی ترکیبی امتزاج اور اسکی قوتیں ہر حال میں اتنی قوت وتناسب سے رہے یعنی جسم کے اعضاء رئیسہ اپنے اپنے افعال میں متوازن ومتناسب اس حد تک رہے کہ اس سے روح حیوانی اپنی حیات کے لئے قوت حاصل کرتا رہے، جس کے نتیجے میں روح علوی یا روح امر ربی کا تعلق جسم سے برقرار رہے اور نتیجے کے طور پر جسم زندہ رہے ورنہ عناصر اربعہ اگر وہ متوازن قوت وہ مطلوبہ کیفیت اور وہ ضروری مقناطیسیت کھو دے جو حیات جسمانی کے لئے ضروری ہے تو روح امر ربی کا روح حیوانی سے تعلق ختم ہو جاتا ہے جس سے جسم پر موت طاری ہو جاتی ہے اور موت کے بعد جسم اکثر صورتوں میں بکھر کر اربعہ عناصر میں واپس تحلیل ہو جاتا ہے الا ماشاء اللہ اور یہی عناصر خواہ منتشر ہو یا مجتمع برزخ میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق اس طرح فیض یاب ہیں جس طرح ہم کسی بھی پودے کا بیج زمین میں کاشت کرتے ہیں تو قانون فطرت کیمطابق اس پر وہی پھل لگتا ہے جسکا یہ بیج تھا یہی حال انسان کا بھی ہے کہ جس قسم کے اعمال دنیا میں تھے برزخ میں ان ہی اعمال کے مطابق اس پر سزا وجزا کے ایک حصے کا پھل ضرور لگے گا جس کی تکمیل آخرت ہی میں ہوگی۔ مگر ایک وضاحت کرنا لازمی سمجھتا ہوں کہ انسان اپنے دنیاوی اعمال کی نوعیت اور اس پر مرتب ہونے والا برزخ یا آخرت کے ثمرات سے ایک حد تک اس دنیا میں بھی بالکل اس طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح شکم مادر میں بچہ اپنی باہر کی دنیا کے حالات یا ماں کی صحت وبیماری سے متاثر ہوتا ہے بدکاروں اور نیکوں کاروں دونوں میں یہ حالات عام پائے جاتے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ انسانی کردار بہت موثر ہوتا ہے جس کا اثر بعد کی نسلوں پر پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح نے اپنی بدکردار قوم کی تباہی کی دُعا مانگی تھی۔ کیونکہ جب کردار ایک خاص حد تک بگڑ جاتا ہے تو

اس کا اثر نطفہ پر پڑ کر بعد کی نسل کو اس طرح منتقل ہو جاتا ہے جس طرح بیماریاں توارث میں چلی جاتی ہے اسکا اندازہ مشرکین مکہ اور آج کے لوگوں کا اسلام پر مختلف حوالوں سے اعتراضات کی مماثلت سے لگایا جاسکتا ہے۔ اسی انسان کا دوسرا اہم جُز روح کا ہے جو عالم امر کا باسی ہے امر ربی میں سے ہے جہاں پر تجلیات ذاتی ہوتی ہے اسلئے یہاں تدریج اور ارتقا نہیں اس لئے روح میں بھی بچپن لڑکپن جوانی یا بڑھاپا نہیں ہوتا اور امر اللہ ایک صفت ہے' جسم کے اعضائے رئیسہ کی طرح روح کے بھی کچھ اعضائے رئیسہ ہیں جس طرح جسم کی حیات وصحت کا انحصار ان اعضاء رئیسہ کی صحت اور صحیح فنکشن پر ہے جسکے لئے ماہرین نے غذا دوا اور پرہیز کا تعین کیا ہے' بالکل اسی طرح روح کی حیات وصحت کا انحصار اپنے اعضائے رئیسہ کے صحیح فنکشن پر ہے جس کے لئے انبیاء علیہم السلام غذا کی نوعیت دوا اور پرہیز عالم امر سے حاصل کر کے امت کو بتا چکے ہیں مگر ان دونوں وجودوں کے اعضاء رئیسہ کی کارکردگی میں فرق صرف یہ ہے کہ روح اپنے اعضائے رئیسہ سے اس طرح کام نہیں لے سکتی ہے جس طرح جسم کہیں خودکار نظام اور کہیں اختیاری طریقوں سے اپنے اعضاء رئیسہ سے کام لیتا ہے بلکہ روح جسم انسانی ہی کو انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی تعلیمات وبرکات کو کام میں لا کر اپنے اعضاء اور جوارح میں استفادہ کی قوت پیدا کر سکتا ہے اور جسمانی ضرورتوں سے لاپرواہ شخص کو پاگل کہتے ہیں تو کیا روحانی ضرورتوں سے لاپرواہ شخص کو پاگل نہیں کہیں گے ہاں یہ بات مدنظر رہے کہ انسان کی ضرورتیں روز اول سے آخر تک ایک جیسی رہیں گے ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے عناصر عالم اسباب میں بکھیر دیئے گئے ہیں دماغی علوم اور تربیت سے ضرورتوں کو پورا کرنے کے ذریعے تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر یہ دنیاوی ادارے صرف دماغی قوتوں کو ترقی دے سکتے ہیں قلبی قوتوں کی ترقی میں یہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ قلبی تبدیلیاں صرف مذہب ہی کے ذریعے لائی جاسکتی ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے تو اسکی ضروریات بھی عالم امر ہی سے پوری ہوسکتی ہیں لیکن نہ مجرد انسانی جسم اور نہ مجرد روح کے پاس کوئی ایسی قوت ہے کہ اپنی ضروریات براہ راست عالم امر سے پوری کر سکے اس لئے رب جلیل نے اپنی ربوبیت کے توسط سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا سوال یہ ہوتا ہے کہ نبی کون ہوتا ہے دراصل نبی حال میں نبی ہوتا ہے خواہ عالم امر ہو یا عالم اسباب' برزخ ہو یا عالم آخرت۔ نبی کی لطافت اتنی بلند ترین اور عظیم ترین ہوتی ہے کہ اسی لطافت کی فریکونسی پر وحی الٰہی کو سنتا ہے اور آگے مخلوقات تک اپنی برکات کے ساتھ پہنچاتا ہے یہی لطافت نبوت ہی عصمت نبوت کہلاتی ہے اور نبوت ہی شرف انسانیت ہے کیونکہ انسانوں کے سوا کسی اور نوع کی مخلوق کو اس شرف سے نوازا نہیں گیا اور انبیاء علیہم السلام اپنے چارگانہ فرائض نبوت یعنی (۱) تلاوت کتاب (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب اور (۴) تعلیم حکمت سے انسان کا رابطہ عالم امر سے قائم کرتے ہیں تا کہ وہاں سے انسان اپنی روح کی ضروریات پوری کرا سکیں۔

> **انبیاء علیہم السلام اپنے چارگانہ فرائض نبوت یعنی (۱) تلاوت کتاب (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب اور (٤) تعلیم حکمت سے انسان کا رابطہ عالم امر سے قائم کراتے ہیں تاکہ وہاں سے انسان اپنی روح کی ضروریات پوری کرا سکیں**

ہمیں یہ بھی علم ہے کہ جس طرح جسم کی خوراک کا اہم عنصر گندم ہے اور اسکا مرکز زمین ہے بالکل اسی طرح روح کی خوراک کا اہم عنصر ذکر اللہ ہے جسکا مرکز لطیفہ اخفٰی ہے لیکن یہ بات محل نظر رہے کہ نبوت ولایت کی طرح کسبی نہیں بلکہ وہبی ہوتی ہے جو کسی مدرسہ اکیڈمی تربیت یا تدریس سے حاصل نہیں ہوتی ہے اور یہی دائمی حیات انبیاء علیہم السلام کا منبع وماخذ ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں تخلیقی طور پر تفضیل نہیں ہاں خلقی طور پر ان میں تفضیل ضرور ہوتی ہے ورنہ تعلیمات وبرکات اور چہارگانہ فرائض نبوت کے لحاظ سے لانفرق بین احد من رسلہ ثابت ہے جسکا ذکر حضرت امام ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات وبرکات علاقوں' قوموں اور زمانوں میں محدود تھیں تا آنکہ آخری نبی ﷺ مبعوث فرمایا گیا اور اب ساری انسانیت کا یہی ایک نبی ﷺ ہے۔ اب علاقوں، قوموں، اور زمانوں کا تصور ابد تک ختم ہو گیا اب ساری انسانیت بلالحاظ

قومیت نسلیت وطنیت اور زمانیت آپ ﷺ کی تعلیمات و برکات سے ابد تک مستفید ہو سکتی ہے' انبیاء علیہم السلام کی درجہ بندی نبی، رسول اور اولوالعزم رسول کے نام سے ہوتی ہیں' زمانہ کے مروجہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے جب انسانیت مجموعی تباہ ہونے والی تھی تو اللہ انسانیت کو بحیثیت مجموعی تباہ ہونے سے بچانے کے لئے ضروری قوتوں کو رکھنے والا مرسل بھیجتا رہا یعنی کبھی نبی، کبھی رسول، اور کبھی اولوالعزم رسول، بھیجتا رہا اور آخر میں حضرت محمد ﷺ کو بھیج دیا' نور چینی اور نور پاشی میں آپ ﷺ کی ذات ہر لحاظ سے اکمل ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اخبار میں یکساں اور احکام میں مختلف تھی۔ آپ ﷺ سے تمام اولوالعزم رسول براہِ راست جبکہ باقی انبیاء علیہم السلام اپنے اولوالعزم رسولوں کے ذریعے فیض یاب ہوتے رہے اور اپنی اپنی امتوں کو بواسطہ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام فیض یاب کرتے رہے یعنی آپ ﷺ تمام کائنات اور اس میں مندرج مخلوق کو فیض یاب کر رہے ہیں اور منبع فیض آپ ﷺ کی ذات کریمانہ ہے پہلی امتیں آپ ﷺ کے فیض سے اپنے انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے فیض یاب تھیں۔ لیکن یہ خوش نصیب امت براہ راست آپ ﷺ سے فیض یاب ہے۔ آپ ﷺ کے ناطے تمام مخلوقات بلاشرط نوع وعقیدہ اپنی اس بقاء وجود کیلئے اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہیں اور مسلمان سراجاً منیرا کے ناطے روحانی طور پر فیض یاب ہو رہے ہیں یہی حقیقت محمدیہ ہے یہی سے رجال الغیب کے سوتے پھوٹتے ہیں جس کے تکوین امور میں اپنے اپنے مناصب ہیں۔ جسکا مختصر ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے بہر حال آپ ﷺ کی صفت رحمت اللعالمین ہونے کے ناطے سے دونوں صورتوں میں فیض یابی کے لئے مادی وجود کا ہونا ضروری نہیں بلکہ روح کا موجود ہونا ہی کافی ہے اور یہاں سے نسبت اویسیہ کی حقیقت اور سند ثابت ہے اور یہی رحمت اللعالمین کی حقیقت ہے

> دورِ نبوت سے دوری گناہوں کی کثرت اور امت کی لاپرواہی نے حصول برکات نبوت میں رکاوٹیں ڈالیں جس کو دور کرنے کیلئے اور اپنے اندر برکات نبوت کو جذب کرنے کیلئے صلحائے امت نے ذکر واذکار اور اسکے مختلف طریقے متعارف کرائے

اور اویسیت کا مطلب یہ ہے کہ روح' روح سے فیض لیتی اور دیتی ہے جس میں زمان ومکان کی کوئی قید نہیں۔ الحمدللہ بطور ایک ادارہ اس کرہ ارض پر اس وقت ہم سب اس فیض سے فیضیاب ہیں اس کے داعی اور مبلغ ہیں یہی چند سطور اسی فیض کا نتیجہ ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

بہر حال انبیاء علیہم السلام تعلیمات و برکات کے ذریعے اصلاح احوال فرماتے ہیں' ماننے والے برکات اور تعلیمات دونوں سے استفادہ کر سکتے ہیں جبکہ نہ ماننے والے صرف تعلیمات سے مستفید ہوتے ہیں' دور جدید یا دور قدیم کی تمام مادی وسائنسی ترقیوں کا منبع وماخذ تعلیمات انبیاء علیہم السلام ہی رہا ہے چونکہ یہ ایک علیحدہ تحقیق کی متقاضی بات ہے اس لئے میں اس کا ذکر چھوڑ کر واپس اپنے مضمون کی طرف جاتا ہوں' چونکہ وحی شدہ علوم تعلیمات و برکات پر مشتمل ہوتی ہے اس میں تعلیمات کے حصول کے لئے دماغی صحت' درس وتدریس اور مدرس کافی ہوتے ہیں یہی جن کا تعلق علوم شریعت سے ہوتا ہے وہ ہر فرد شرائط کے ساتھ بلا ایمان حاصل کر سکتا ہے تعلیمات میں اوامر میں فرض' واجب' سنت' مستحب اور نواہی میں حرام' مکروہ اور مباح ہوتے ہیں اور یہی اوامر اور نواہی تمام انسانی زندگی یعنی اعتقادات' عبادات' معاملات' معاشرت اور اخلاق کو حاوی ہوتے ہیں' اور شریعت کی یہی رُخ قوت نافذہ کی متقاضی ہے' جو جہاد کا اصل ہے اور مسلمان اس دنیا میں واحد امت ہے کہ بغیر سرکار کی سرپرستی اور کسی پارلیمان کی موجودگی میں تمام ضروری قانون سازی عوامی سطح پر کبھی فتویٰ کبھی حکم اور کبھی قضاء سے مکمل کی ہے اور یہ قانون سازی اتنی جامع اور مکمل ہے کہ ابھی تک کسی خاص قابل ذکر تبدیلی کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اسلام کے نزول میں اگرچہ تدریج ہے مگر تنفیذ میں تدریج نہیں۔ تعلیمات کے لئے چند اصطلاحات مقرر ہیں جن کے حصول کے لئے مدرس' مدرسہ اور کتابیں خارجی ضروریات ہیں جبکہ داخلی طور پر صرف محنت' دماغی صحت وصلاحیت اور طلب کا ہونا ضروری ہے جبکہ برکات کے حصول کیلئے خارجی طور پر برکات کے حامل فرد کی ضرورت ہوتی ہے اور داخلی طور پر طلب' عقیدت' ادب اور اطاعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ برکات سے مراد وہ نور ہے وہ کیفیات ہیں جو کتاب کے ہر لفظ میں

موجود ہوتی ہیں مگر جس طرح معنی کے لئے ہم صاحب کتاب کے محتاج ہیں اس طرح اس نور کے حصول کے لئے اس نور کے حامل شخص کے محتاج ہیں اس کے حصول سے قرب الٰہی میں جو خلوص نصیب ہوتا ہے وہ اس کے بغیر ممکن نہیں جس کو یہ کیفیات نصیب ہوتی ہیں اس کے اور اس آدمی کے جس کو یہ کیفیات نصیب نہیں ہوتی ہیں کے عمل میں بہت فرق ہوتا ہے۔

مگر یہ بات مدنظر رہے۔ برکات کے حصول کے طریقہ کار کا نام سلوک ہے جن کے مدارج تزکیہ تصفیہ، تخلیہ اور تجلیہ ہوتے ہیں لیکن یہ بتاتا چلوں کہ تزکیہ کے عملی مدارج کا پہلا دور غارِ حرا سے شروع ہوتا ہے، دوسرا دور مشرک، مکہ میں اپنے ہی عقیدہ کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور اپنا عقیدہ ببانگ دہل بیان کرتے ہیں معاشرہ کے ظلم جور اور خارجی طور پر روم اور ایران جیسے سپر پاورز ان چند مزکی انسانوں کو دبا نہ سکے، تزکیہ کا تیسرا دور مدینہ منور میں شروع ہو جاتا ہے جہاں پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک معاشرہ تشکیل پا جاتا ہے لیکن کافرانہ قوتوں کو ان مزکی وجودوں کے نافذ کردہ نظام کو توڑنے اور تباہ و برباد کرنے کے لئے اٹھاسی تک لڑائیاں لڑنی پڑی مگر کفر ناکام ہوا۔ عدل اجتماعی پر مبنی اس معاشرے کا چوتھا دور اس وقت شروع ہو جاتا ہے کہ جب اس عدل اجتماعی کے نظام کو تمام دینوں پر غالب کرانے کا حکم مل جاتا ہے اور پھر تزکیہ کا آخری دنیاوی درجہ حکمران ناظم ہونے پر منتج ہوا یہی منازل ہر صوفی کو بھی پیش آتے ہیں اور یہی سے تزکیہ کے مدارج ثابت ہیں۔

جس طرح تزکیہ کے مدارج ثابت ہیں اسی طرح تزکیہ کا توارث بھی ثابت ہے جسکا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ حیات نبوی ﷺ میں جو بھی شخص ایمان کے ساتھ شرف صحبت سے فیض یاب ہوا قرآن کے مطابق رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ کے خطاب سے نوازے گئے دراصل برکات نبوت وہ قوت ہے کہ جسکو بھی جب بھی اور جیسے نصیب ہو جاتی ہے وہی پر وہ ہستی بہترین خلائق ٹھہر جاتی

محققین اور مجتہدین تصوف کے نزدیک روح کے اعضاء رئیسہ میں قلب، روح، سری، خفی، اخفی نفس اور سلطان الاذکار شامل ہیں جن کو اصطلاح میں لطائف کہا جاتا ہے۔

ہے آپ ﷺ کے برزخ میں تشریف لے جانے کے بعد کمالات اور برکات نبوت کی بحر سینہ صدیق رضی اللہ عنہ میں جاگزین ہوگئی آپؓ ساری انسانیت میں بعد از انبیاء علیہم السلام معیت ذاتیہ میں واحد فرد ہیں۔ بہرحال برکات کی وہ قوت جو دور نبوی ﷺ میں تھی برکات کی وہی لہر سینہ نبوت ﷺ سے نکل سینہ صدیقیتؓ میں آئی تھی وہی لہر برکات نبوی ﷺ کی سینہ بے کینہ عمر الخطاب میں جاگزین ہوئی یعنی برکات نبوی ﷺ کی جو شان حیات النبی ﷺ میں تھی یا دور صدیقیتؓ میں تھی وہی شان برکات ﷺ نبوت کی اب بھی تھی آپؓ کے بعد برکات ﷺ نبوت کی وہی لہر بحر غناء حضرت عثمانؓ کے سینہ اقدس میں جاگزین ہوئی آپؓ کے دور میں فتنوں کی کثرت اور گناہوں کی کثافت سے دور نبوت کی کیفیات مبدل بطور کیفیات ولایت ہوگئی اور یہی ذوالنورین کی حقیقت ہے آپؓ کے بعد یہی دونوں کیفیات نبوت وولایت سینہ حضرت علیؓ میں جاگزین ہوئی آپؓ کے بعد کوئی ایک ہستی ایسی نہ تھی کہ ان تمام کمالات و برکات نبوت کو اپنے اندر سمو سکتا تو جس طرح دور نبوت کے بعد کوئی مفسر کوئی محدث اور کوئی فقیہہ بن گیا بالکل اسی طرح حضرت علیؓ نے برکات ولایت ونبوت کو مستحقین میں کچھ شرائط کے ساتھ تقسیم فرمایا اور یہی وجہ ہے کہ تمام سلاسل کی انتہا حضرت علیؓ پر ہوتی ہے دور نبوت سے دوری گناہوں کی کثرت اور امت کی لاپرواہی نے حصول برکات نبوت میں رکاوٹیں ڈالیں جس کو دور کرنے کیلئے اور اپنے اندر برکات نبوت کو جذب کرنے کیلئے صلحائے امت نے ذکر واذکار اور اسکے مختلف طریقے متعارف کرائے اب ہر شخص حسب محنت واستعداد اپنے سینہ میں برکات نبوت کو مندرجہ مبارک سینوں سے اخذ کر سکتا ہے یہی ضرورت اور پہچان شیخ کی ماخذ ہے یہی صورتحال انشاء اللہ تا قیام قیامت جاری رہیگی کیونکہ قرآن کا اعجاز یہی ہے اور وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن کی حفاظت الٰہیہ قرآن ہی کو حاصل ہے اور قرآن کی حفاظت سے مراد قرآن کے الفاظ مفہوم عمل اور کیفیات ہیں ان مندرجہ بالا چاروں میں سے کوئی بھی ایک رکن اگر ضائع ہو جائے تو حفاظت قرآن کا نظریہ

باطل ہو جائے گا اسی لئے برکات نبوی ﷺ یعنی کیفیات کا قیام بھی ابدالاباد ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ تزکیہ کا مدارج عملی ہے تزکیہ میں توارث ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تعلیمات نبوت تقسیم ہوئی کوئی مفسر کوئی محدث اور کوئی فقیہہ بنا پھر مفسرین میں کوئی صرف ونحو کا ماہر بنا کوئی تاریخ اور کوئی معیشت کا ماہر بن گیا تو علاقوں قوموں اور زمانوں کے رسم ورواج اور ان کی اپنی استعداد اور رجحانات نے ان کو مقامی نام سے نوازا۔ ایسی ہی توارث برکات نبوی میں بھی چلی' علاقے کے رسم ورواج اور صوفیائے کرام کی اپنی اپنی استعداد صلاحیت وتقویٰ ورجحانات کی وجہ سے کوئی عابد' کوئی زاہد' کوئی متوکل' کوئی صابر' کوئی متقی اور کوئی صوفی کے نام سے مشہور ہوا۔

دراصل ولایت معرفت کا ایک درجہ ہے وہ کسی آدمی کو شعوری سفر کے بعد حاصل ہوتا ہے مستحبات ونوافل کا کوئی ایسا کورس نہیں جس کو پورا کر کے آدمی خود بخود ولی بن جائے۔ بہرحال ولایت کے حصول کا نام قرب الٰہی ہے اور قرب الٰہی کے حصول کے طریقہ میں اہم ارکان' دوام ترک اعتراض' ربط قلب' نفی خواطر' ذکر وخلوت وسکوت' اور اتباع شریعت ہیں اور مدارج تزکیہ کے حصول کا انحصار ذکر اور مراقبہ کے دوام پر ہے جن سے اخلاق ذمیمہ یعنی آفات لسانی' اسراف' بخل' غضب' شہوت' حسد وبغض' ریا وتکبر اور تمام قسم کے حُب دنیاوی کا آمالہ ہو جاتا ہے اور اخلاق حسنہ یعنی اُنس' اخلاق وتفکر' تفویض' تقویٰ' توکل' محبت' خشوع وخضوع' خوف ورجا' رضا وصدق وشکر وصبر تواضع خود بخود پیدا ہوتے ہیں لیکن یہ بات یاد رہے کہ قرب الٰہی کے حصول کے موانع میں تصنع' تعجیل' مخالفت شیخ یا عدم اتباع شریعت ضروری موانع میں' راہ سلوک پر چلتے وقت کچھ احوال بے ضرر مثلاً فراست صادق' رویت صادقہ' وجد وجمود' فنا وبقا' کشف والہام' اجابت دعا پیش آتے ہیں اور بعض وقت احوال نقصان دہ یا باضرر مثلاً استغراق' تصرف وتاثیر' سکر وقبض وسبط کشف ومشاہدہ اور حقائق ومعارف پیش آتے ہیں۔

> **انبیاء علیہم السلام کی صرف ایمان کے ساتھ صحبت سے ان لطائف میں جان آجاتی ہے اور اسی طرح انسان تزکیہ پاتا ہے۔**

پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ جس طرح جسم کی صحت وبقاء کا انحصار جسم کے اعضاء رئیسہ کے صحیح فعل پر انحصار کرتا ہے' بالکل اسی طرح روح کی صحت وبقاء کا انحصار روح کے اعضاء رئیسہ کے صحیح افعال میں مضمر ہے۔ محققین اور مجتہدین تصوف کے نزدیک روح کے اعضاء رئیسہ میں قلب' روح سری خفی' اخفیٰ نفس اور سلطان الاذکار شامل ہیں جن کو اصطلاح میں لطائف کہا جاتا ہے جن میں سے ہر لطیفہ کا تعلق ایک خاص نبی اور ایک خاص مقام سے ہوتا ہے روح کے یہ دو لطائف یعنی نفس اور سلطان الاذکار متذکرہ بالا پانچ لطائف کے باہمی ترکیب امتزاجی سے بالکل اس طرح پیدا ہوتے ہیں جس طرح جسم کے عناصر اربعہ کے امتزاج سے نفس اور روح حیوانی پیدا ہوئی ہیں اب روح ان دونوں پیدا شدہ لطائف کے ذریعے سے جسم کے دو پیدا شدہ اشیاء یعنی نفس اور روح حیوانی کے ذریعے جسم سے جُڑ جاتا ہے' اور اب افعال کو روح یا جسم سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے یعنی اب ہر فعل میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں اگرچہ صوفیاء کرام میں ان لطائف کے جسم میں واقع ہونے کے مقام پر اختلاف ہیں لیکن ان لطائف کی کارکردگی کی نوعیت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اسلئے صوفیائے کے ان اختلاف سے صرف نظر کیا جاتا ہے لیکن یہ بات ضرور مدنظر رہے کہ تربیت کے لحاظ سے قلب کی کچھ اور اقسام ہیں اور کیفیات کے لحاظ سے کچھ اور اقسام ہیں۔

ہاں اس مادی دنیا میں روح پس منظر اور جسم پیش منظر میں رہتا ہے عالم برزخ میں یہ صورت حال الٹ جائیگی اور قیامت کو پھر دونوں یعنی جسم وروح اپنی مکمل متوازن حالت میں جائیگی۔

انبیاء علیہم السلام کی صرف ایمان کے ساتھ صحبت سے ان لطائف میں جان آجاتی ہے اور اسی طرح انسان تزکیہ پاتا ہے۔ جس سے یعنی تزکیہ سے ہر لطیفہ ربانی اپنا اپنا فعل سرانجام دینا شروع کرتا ہے یہی قوت تزکیہ صحبت صحابہ' تابعین اور تبع تابعین میں بھی اپنے اپنے کمالات واستعداد کے مطابق ہوتی ہیں یعنی صرف ایمان کے ساتھ ان کی صحبت سے تزکیہ ہو جاتا ہے بعد

دور تبع تابعین' زمانہ نبوت کی دوری اور ماحول کی کثافت سے اب صرف ایمان کے ساتھ نری صحبت سے مکمل تزکیہ نہیں ہوتا ہے اس لئے مجدد دین اور مجتہدین فی التصوف' ذکر واذکار' مراقبات اور اپنی صحبت سے ان لطائف میں جان ڈال دیتے ہیں جس سے روح میں پرواز کی قوت آجاتی ہے۔

ہاں یہ بتاتا چلوں کہ ذکر اسم ذات کا حکم قرآن سے ثابت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ذکر کیا چیز ہے؟ دراصل ذکر اصطلاحی نیکی کرنا اور برائیوں سے بچنے کا نام ہے اور قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام غیر مکلف مخلوق کا وجود ذکر ہی سے قائم ہے جیسے ان کے وجودوں سے ذکر نفی ہو جاتا ہے ان کے وجود معدوم ہو جاتے ہیں لیکن انسانی وجود کا قیام ذکر سے اس طرف منسلک نہیں ہے' ذکر اصطلاحی کے باوجود ذکر کا حکم ہے تبلیغ کرتے ہو یا حج میں ہو جہاد کرتے ہو یا نماز میں ہو رزق حلال کے حصول میں مصروف ہو یا فارغ ہو، ہر حال میں ذکر کا حکم موجود ہے اسی طرح سند سے ذکر لسانی و ذکر قلبی ثابت ہے اور قرآن کے نزدیک دانشور کی صفت ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ ہر حال میں ذکر کرتا ہے تب جا کر اس پر تفکر فی خلق السموات والارض کا پھل لگتا ہے اس لئے ذکر کا ایک خاص شخص سے سیکھنا اور اس پر مداومت کرنا فرض ہے۔

وہاں یہ بات مدنظر رہے راہ سلوک پر چلتے وقت سالک کو کچھ مشکلات و مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے سالک پر تکالیف و مجاہدات آنے کے اصول' مکافات عمل' دفع سیات' تلافی مافات اور ترقی درجات مقرر ہیں سلوک میں ان چاروں قسم کے مجاہدات کے اسباب کے نشاندہی ہو چکی ہے اور شیخ کامل ہی اسکی نوعیت کا تعین کر سکتا ہے جن کی صورتیں کبھی جسم پر، کبھی جان پر، کبھی مال پر، اور کبھی عزت پر ہوتی ہے' یہی مجاہدات کبھی مادی اور کبھی ذہنی ہوتے ہیں۔ جن کا مقابلہ قرآن کے حکم کے مطابق صبر اور تقویٰ سے کیا جاتا ہے۔

مگر یہ بات مدنظر رہے کہ نیکی و بدی کی دو قسمیں

> قرآن کے نزدیک دانشور کی صفت ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ ہر حال میں ذکر کرتا ہے تب جا کر اس پر تفکر فی خلق السموات والارض کا پھل لگتا ہے اس لئے ذکر کا ایک خاص شخص سے سیکھنا اور اس پر مداومت کرنا فرض ہے

ہیں ایک وہ جن کا علم وحی کے ذریعے ہوتا ہے اور دوسری وہ جو ضمیر اور عقل کی سطح پر ہر انسان کو معلوم ہے نیکی کی اس پہلی قسم کو معروف اور دوسرے کو منکر کہا جاتا ہے۔ بہر حال ایک بات طے ہے کہ عقل روحانی دنیا سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتی کیونکہ عقل مادی ہے جسکا دائرہ کار صرف مادہ ہی تک محدود ہے مگر عقل قلب کی تحریکات کے مطابق اعضاء و جوارح سے افعال سرانجام دلوا کر استفادہ کر سکتی ہے عقل بے شمار ذہنی و دماغی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے جو جسم کی مادی حالت سے متاثر ہوتی ہے جسطرح بارش' دھوپ' سایہ' بنگلہ' جھونپڑی' بازار و مسجد کے حالات سے جسم متاثر ہوتا ہے بالکل اس طرح عقل بھی ان مادی اشیاء سے متاثر ہوتی رہتی ہے' اس لئے عقل پر امور روحانی کے لئے تکیہ نہیں کیا جا سکتا اور یہی فلاسفر اور نبی میں فرق ہے کہ نبی احکام و اخبار میں تبدیلی نہیں کر سکتا جبکہ فلاسفر اپنے نظریات تبدیل کرتے رہتے ہیں عقل کا محل مادی دماغ ہے جو قوت امتیازی سے لیس ہے تاکہ جسمانی ضرورتوں اور سہولتوں کو پورا کرتا رہے ہاں' قلب کے رجحانات عقل کو روحانی امور کیلئے ابھارتے رہتے ہیں کیونکہ قلب خود مکلف ہے، سنتا ہے، دیکھتا ہے، اور بولتا ہے، اور سارے نیک یا بداعمال قلب کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں اور قلب خود ان اعمال سے منفی یا مثبت طور پر متاثر ہوتا ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور اس اُبھار یا تحریک قلب کی صورت قلب کی اپنی حالت کے مطابق ہوتی ہے اگر قلب کی اپنی حالت اچھی ہوتی ہے تو وہ عقل کو اچھے اور نیک کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور خدانخواستہ اگر قلب کی اپنی حالت بُری ہوتی ہے تو وہ عقل کو برائی کی طرف ابھارتی رہتی ہے یہاں یہ بتاتا چلوں کہ ابلیس اور اس کے کارندے ہر وقت انسان کو گمراہ کرنے میں سرگرم عمل ہوتے ہیں دراصل ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان قرین کے نام سے ہوتا ہے اور یہی قرین تمام علوم سفلیہ کے حصول کا منبع مدرسہ اور مدرس ہوتا ہے یہی قرین نفس انسانی میں پیدا شدہ خیالات اور ارادوں سے متاثر و متحرک ہو کر ابلیس کے مرکز کو اس نفس کی حالت ٹرانسمٹ کرتا ہے جہاں سے ابلیس کے لشکر اس شخص کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس انسان

کو گمراہی میں ڈبونے کے لئے تمام لغزشی تدابیر اختیار کرتے ہیں اور اس بُری خواہش کو مزید مضبوط کر کے عمل کی قوت کو دماغی محرکات کے ذریعے ہمت انسانی کو اس کام کے لئے قوی کرتے ہیں اور اگر یہ خیالات اور ارادے نیک ہیں تو دماغی قوت کے ذریعے ہمت انسانی کو کمزور کر کے اس نیک عمل سے بے رغبت بناتے ہیں بہرحال شیطان دماغ کو اس کام کے لئے تیار کرتے ہیں اور دماغ عقلی جواز فراہم کر کے اعضاء وجوارح کو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس ارادہ کے ساتھ مشیت الٰہی متوجہ ہو جاتی ہے اسی کو اصطلاح میں توفیق کہا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ نیکی کرنے اور بُرائی سے بچنے کے لئے خطیرۃ القدس سے بھی اس قسم کی ہدایات احکامات الہامات کا نزول نفس انسانی پر ہوتا رہتا ہے جس سے اس کی رہنمائی کی جاتی ہے اور مختلف طریقوں سے انسانوں کی امر و نواہی پر کاربند ہونے کی قوت بڑھائی جاتی ہے بہرحال بُرے کام کی صورت میں قلب غیر مطمئن ہوتا ہے اور دماغ کو اس سے بچنے کا یا اس سے روکنے کی تحریک دیتا ہے مگر نیک اعمال کی کمی اور بُرے اعمال کی کثرت سے قلب کی توجہ کمزور ہوتی ہے اس لئے دماغ اس کو پوری طرح قبول نہیں کرتا ہے اور اگر نیک اعمال کی کثرت اور بُرے اعمال سے بچتا ہو تو قلبی توجہ مضبوط ہو کر دماغ کو اپنے احکامات کا پابند بناتی ہے اور یہی نور و ظلمات کے دائمی جھگڑوں کی اصل ہے۔

کیفیات کا محل قلب ہے مگر عقل ان کیفیات کا ادراک بالکل اس طرح کرتی ہے جس طرح زبان، آنکھ، ناک وغیرہ اپنی قوتوں کا ادراک کرتے ہیں مگر ایک کا کام دوسرا نہیں اپنا سکتا اسی طرح جن جذبات کا تعلق کیفیات سے ہوتا ہے، وہ عقل از خود پیدا نہیں کر سکتی بلکہ یہ کام ہی قلب کا ہے مثلاً غصہ کی کیفیات اعضاء وجوارح از خود پیدا نہیں کر سکتے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شعور و آگاہی قلب کی صفت ہے نہ کہ دماغ کی، کیفیات قلب کو اصطلاح میں کشف کہا

بطور مسلمان نہ ہم دین کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ مادی علوم کو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر بھی بغیر محنت اور مشقت تمام مادی و روحانی کامیابیوں کی امید لئے بیٹھے ہیں

جاتا ہے دراصل جس امتی کا تعلق برکات نبوت سے جڑ جاتا ہے تو حسب استعداد و محنت و مجاہدہ اسکو لطافت سے کچھ حصہ مل جاتا ہے اور جس طرح پہلا ذکر ہو چکا ہے کہ نبی اپنی اسی ہی لطافت کے بدولت وحی الٰہی کو سن پاتا ہے تو سالک کو بھی اسی لطافت نبوت کا کچھ حصہ مل جاتا ہے اور ان ہی کی بدولت حالات کو محسوس کر سکتا ہے اصطلاح میں اسی کو شرح صدر کہا جاتا ہے اور یہ اس وقت نصیب ہوتا ہے جب جسم اپنی تمام سرگرمیاں روح کی صحت و قوت کے لئے اپناتا ہے ان نیک اعمال سے روح کو ایک عظیم قوت حاصل ہو جاتی ہے اور روح توانا ہو کر واقعات گزشتہ یا آئندہ کو مادی آنکھوں کی طرح دیکھنے لگتی ہے اس صورت حال کو کشف کہا جاتا ہے جن کے درجات کو وحی، القاء، الہام، وجدان اور کشف تقسیم کیا جاتا ہے جس میں وحی انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہوتی ہے جبکہ القاء الہام وجدان اور کشف اولیاء کو ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے بعض اوقات روح کی ادراکات اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ اس کام حرکت یا فعل کو سرانجام دیتی ہے جو عام طور پر مادی جسم سے بھی نہیں ہو سکتا ہے روح کی اسی کارکردگی کا نام کرامت ہے جو معنوی اور حسی کے درجوں میں تقسیم ہے اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تقلیدی ایمان استدلالی اور استدلالی ایمان کشفی ہو جائے جو عام طور پر سے سالکین کو بعد از تقویٰ اور اجتناب از گناہ پر نصیب ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کے اندر ایک پیدائشی استعداد ہے جس کا استعمال تین طریقوں سے ہوتا ہے اور اس استعداد کا فطری تقاضا ہے کہ انسان اللہ کو مانے جانے اور اس کی عبادت کرے اسلام کے مقرر کردہ طریقوں پر عمل کرنے سے قلب میں اسی عقیدہ سے منسلک ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جن کی مدد سے مسلمان ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب دیکھ سکتا ہے بعض لوگ خاص اعمال وظائف و رد اوراد سے اسی استعداد کو تیز اور موثر کرتے ہیں جس سے ان کو مادیات کا کشف ہو جاتا ہے اس کے عامل کے لئے کوئی خاص نیکی یا بُرائی نہیں کرنی پڑتی اس مادی کشف کے حصول کے لئے نہ مسلمان ہونا ضروری ہے اور نہ کافر ہونا شرط۔ تیسرا استعمال اس استعداد کا کافر و مشرک کر سکتا ہے۔ کافرانہ عقیدہ مشرکانہ اعمال اور غلیظ

ونجاست بھری طرز حیات سے یہ شیطانی قوت کا خود مسخر ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے مادیات میں محیر العقول کارنامے سرانجام دے سکتے ہیں جو اگرچہ کرامت کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں مگر کرامت ہرگز نہیں ہوتی ان کے ان محیر العقول کارناموں کی ایک مادی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انسان کی حس وادراک کے دو ذرائع حواس دماغی اور حواس قلبی ہیں حواس دماغی میں ظاہری دماغی حواس میں قوت باصرہ' سامعہ' شامہ' ذائقہ اور لامسہ اور باطنی دماغی خواہش میں حس مشترکہ' قوت خیال' قوت وہم' قوت حافظہ اور قوت متصرفہ ہیں جن سے یہ عامل حضرات کام لیتے ہیں کیونکہ دماغی حواس عالم سفلی سے لذت لیتی ہے اس لئے مادہ ہی کی طرف متوجہ رہتی ہے جس کی وجہ سے حق سے دوری ہوتی ہے جبکہ تمام حواس قلبی کا میلان عالم بالا کی طرف رہتا ہے تو نتیجہ میں حق تعالیٰ سے قرب ہوا ہے جس کی ہوا بھی غیر مسلموں کو نہیں لگی ہے اور نہ لگ سکتی ہے۔ ورنہ وہ ضرور اس کا دعویٰ کرتے جب کہ آج تک ان کے سارے دعوؤں کا مرکز مقصود ماتحت الاسباب ہیں۔

کشف میں صوفیا کا اختلاف ان کی اپنی فعلی حیثیتوں اور فطری استعدادوں کی بنیاد پر ہوتا ہے جس طرح مادی دنیا میں ایک شخص تربیت کے بعد طب کا پیشہ اپنا سکتا ہے اس طرح کمزور نظر والا عینک استعمال کر کے صاف اور دور تک دیکھ سکتا ہے' کشف کا انحصار بھی ان پیدائشی استعدادوں اور کسبی حیثیتوں پر ہوتا ہے اس لئے اکثر صوفیا کشف کو اختیاری اس لئے سمجھتے ہیں کہ جس طرح ایک دفعہ آنکھ دیکھنے لگتی ہے تو پھر وہ دیکھتی رہتی ہے۔ اس طرح جسکو ایک دفعہ کشف میں ملکہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اسکو رکاوٹ نہیں ہوتی ہے اور کشف کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگائیے جس پر قران کریم کی گواہی ہے اور وہ یہ کہ اولوالعزم انبیا علیہم السلام نے حصول کشف کی دعا اور تمنا کی ہے مگر بدقسمتی سے نہ سمجھنے والے لوگ یا غیر صوفی اس بات کو بہت اچھا لیتے ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ کشف کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ یہ خود صوفیا کے نزدیک حیض الرجال ہے تو اس پر تکیہ یا اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے کاش یہ لوگ حیض الرجال کی حقیقت سمجھتے یا کشف کے مقصد کو بلکہ ان کے نزدیک صوفیا میں کشف کے بارے میں اور بھی بہت تضادات ہیں حالانکہ یہ تضادات نہیں بلکہ ان تضادات کے کچھ اسباب ہیں اس میں کاشف کی اپنی فعلی حیثیت' پیدائشی استعداد' علمی قوتیں یا کشف کی تعبیر کا اہم کردار ہوتا ہے جہاں تک صاحب کشفوں کے ایک ہی چیز کے مکشوفات کے بارے میں اختلاف کا تعلق ہے تو اس میں فرق کا سبب بھی مادی حجابات کی طرح ہوتا ہے' مثلاً دو شخص ایک سمت کو دیکھ رہے ہیں' ایک کے سامنے بادل یا گرد و غبار یا کوئی دیگر رکاوٹ آ جاتی ہے اور دوسرے کے سامنے کوئی حجاب نہیں آتا تو ان دونوں کے مشاہدوں میں کتنا فرق ہوگا اس لئے مشاہدات میں اختلاف یا تضاد شئی مکشوف کے بارے نہیں بلکہ اس تعبیر کے بارے میں ہوتی ہے اس لئے یہ کاشفوں کی غلطی نہیں' یہ تو مادی حجابات کی طرح ایک چیز ہے اس لئے اس حد تک کشف غیر اختیاری نہیں' ہاں اگر اللہ کسی چیز کو مکشوف کرنا نہیں چاہتا تو یہ اور بات ہے قرآن مجید میں انبیا علیہم السلام کے قصوں میں اس طرح کے کئے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

اس پس منظر میں بتانا یہ تھا کہ اللہ نے تخلیق کائنات ہی کے وقت اس کے قیام و نظام و بقاء میں اسباب کا طریقہ جاری فرما دیا ہے جس میں بے شمار ظاہری اور باطنی سلاسل جاری و ساری ہیں کچھ کا ہمیں علم و ادراک ہے اور کچھ کا ہے ہی نہیں کائنات میں جاری اسباب میں سبب و مسبب' اثر پذیری و تاثیر پذیری' علت و معلول کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے' عالم اسباب میں اثر پذیری و تاثیر پذیری کے سمجھنے کے لئے کبھی عام کبھی خاص اور کبھی اخص الخواص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً ڈاکٹری کا علم' نجوم کا علم' الفاظ کی قوت کا علم وغیرہ جو مخفی علوم کا منبع و ماخذ ہے اور یہی تقدیر کی علمی و عملی حقیقت ہے لیکن بدقسمتی سے ان کا ہم تجزیہ علم حضوری پر نہیں بلکہ علم حصولی کے بنیاد پر کرتے ہیں جبکہ تقدیر اور مشیت الٰہی کو سمجھنے کے لئے علم حضوری کی ضرورت ہوتی ہے جو انسانوں کے پاس نہیں جسکی وجہ سے اختلاف کا دروازہ کھل جاتا ہے ورنہ یہی مقام تو دعا اور تصرف کا منبع اور ماخذ ہے دراصل جب اسباب اپنی طبیعت کے مطابق نتائج دیتے ہیں تو اسکو قانون کہتے ہیں قدرت و فطرت کے مظاہر کائنات میں ہر وقت جاری رہتے ہیں یہی پر مقدرات کی بات آتی ہے جو کرامات و معجزات کی اصل ہے یہی جادو اور دیگر سفلی علوم اور عاملین کے قوانین کا بھی ماخذ ہیں عالم اسباب میں ہمہ وقت ابداع' خلق' تدبیر اور

تدلی کا عمل جاری رہتا ہے جس کے خاص آلات قبض وبسط اور الہام واحاطہ ہوتے ہیں جنکے احکام خطیرۃ القدس کی مقدس ارواح سے اصحاب باطن یا صاحب تکوین افراد پر نازل ہوتے ہیں اور عالم اسباب میں وہ کام اسباب کے ساتھ بالکل اسی طرح ہو جاتا ہے جس طرح مشیت ایزدی چاہتی ہے یہ بات یاد رکھیں کہ تجلیات ربانی پر مشیت ایزدی سفر کرتے ہوئے اور رحمت العالمین کو آلہ بناتے ہوئے اپنے احکام خطیرۃ القدس کو دے جاتی ہے جو وہاں پر مقیم مقدس ارواح میں ایک ہل چل مچا دیتی ہے جہاں سے امام نوعی انسانی مقدس ارواح وملائکہ اعلیٰ وسافل ان کام کے پیدا کرنے کے اسباب میں مصروف ہو جاتے ہیں اور مختلف عوالم سے گزرتے ہوئے زمین پر وہ کام ہوتا ہے اس سفر عوالم میں ماہرین علم نجوم' علوم سفلی' علوم مادیہ اپنے اپنے علم اور اندازوں کے مطابق اس کام کے ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ لگاتے ہیں اور اس کام کے اثرات کو ختم کم یا تیز کرتے ہیں ان مادی علوم کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ہم مادی دنیا میں بارش سے بچنے کیلئے چھتری کا استعمال کرتے ہیں

دراصل عالم اسباب میں یہ ساری کارفرمایاں صفاتی تجلیات کی ہوتی ہے جو بھی شخص ان صفاتی تجلیات سے مستفید ہونے کی استعداد پیدا کرتا ہے وہ صفاتی تجلیات اس شخص کو بقدر استعداد سیراب کرتا جائے گا۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنے اندر صفاتی تجلیات میں سے صفت رازق سے مناسبت اور اس تجلی سے مستفید ہونے کی استعداد پیدا کر لے تو یہ تجلی اس شخص پر مال ودولت ورزق کی فراوانی کرے گا یہی قانون تقدیر ہے اور یہی اس مضمون کا عنوان ہے علم حصولی اور حضوری کے نہ سمجھنے سے تقدیر کے بارے میں بے شمار غلط فہمیاں پیدا اور پھیلائی جاتی ہیں' جسکا اصلی سبب یہ ہے کہ بطور مسلمان نہ ہم دین کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ مادی علوم کو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر بھی بغیر محنت اور مشقت تمام مادی وروحانی کامیابیوں کی امید لئے بیٹھے ہیں جبکہ ہم شناختی کارڈ کی حد تک

قلب کے رجحانات عقل کو روحانی امور کیلئے ابھارتے رہتے ہیں۔ کیونکہ قلب خود مکلف ہے اور سارے نیک یا بد اعمال قلب کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں۔

مسلمان اور ڈگری یا سرٹیفکیٹ کے حد تک پڑھے لکھے ہیں بدقسمتی سے شفاعت کبریٰ کا فخر، جنت کا نشہ تسبیح کا گھمنڈ، وظیفوں اور نفلوں کی کثرت اور ہماری بے بنیاد خوش اعتقادی نے ضعیف الاعتقادی میں مبتلا کر کے اسباب کی اہمیت سے مدہوش کر دیا جاتا ہے کاش مسلمانوں کو سمجھ آئے کہ یہ دنیاوی اسباب اللہ نے بنائے کس کے لئے تھے؟ اور کن کی نالائقی کے سبب اسباب دنیاوی سے مستفید کون ہو رہا ہے؟ کاش مسلمانوں کو سمجھ آ جائے' تقدیر کے بارے میں تفصیل تو نہیں لکھی جا سکتی ہے ہاں چند اصول درج کرنا لازمی سمجھتا ہوں۔

۱) اسباب جب اپنی فطرت کے مطابق نتائج دیتے ہیں تو اسکو قانون فطرت کہتے ہیں۔

۲) اسباب جب اپنے فطری طبیعت کے برخلاف نتائج دیتے ہیں تو اسکو قدرت کہتے ہیں۔

۳) کائنات میں ہر وقت ہر فعل اور ہر مفعول میں کبھی فطرت کے اصول کارفرما ہوتے ہیں اور کہیں قدرت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

۴) تقدیر دراصل عالم اسباب میں اختیار شدہ اسباب اور رویوں پر مرتب شدہ ثمرات کا نام ہے جسکی تقسیم قدر بدیہی' قدر کشفی' قدر نظری اور قدر مخفی کی صورتوں میں کی جاتی ہے۔

۵) اسباب بلا تفریق عقیدہ' نسل' جنس' علاقہ ومذہب جو بھی اختیار کرے گا اس پر وہی نتیجہ مرتب ہوگا جو اسکی طبیعت ہوتی ہے لیکن اس میں حکمت ومصلحت کے نظریات اور اسکے اصول کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے جو معجزات اور کرامات اور محیر العقول کارناموں کا ماخذ اور منبع ہے۔

۶) عالم اسباب میں علت ومعلول' اثر پذیری وتاثیر' سبب مسبب کے سلاسل کو کہیں مادی قوتوں سے کہیں روحانی قوتوں' کہیں سفلی قوتوں اور کہیں شیطانی قوتوں سے متحرک کرائی جاتی ہے یہی سائنسی علوم' روحانی علوم' نجومی علوم اور سفلی علوم کا منبع وماخذ ہیں ان معروضات کے پڑھنے اور سمجھنے سے تزکیہ واحسان وسلوک کا فہم اور حصول آسان ہو جاتا ہے اور شاید علم لدنی کے کھلنے کا ایک سبب بھی۔

دلوں کا اطمینان

یقیناً

اللہ

کے ذکر میں ہے

منجانب

احمد دین

ٹیکسٹائل ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف PC یارن

ہیڈ آفس

پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد ☎ 667571 667572

غیر اسلامی رسومات اور ہم

جب اللہ اور رسول پر ایمان کی بجائے رسومات کو دین سمجھا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذہنی طور پر ہم اسلام کو نہ چھوڑ سکے اور عملی طور پر ہم کفر کو نہ چھوڑ سکے۔ یعنی شکل وصورت ہم نے عیسائیوں اور نصاریٰ سے لی اور اُن جیسا بننا فخر سمجھا جسے دو لقمے روٹی کے نصیب ہوتے ہیں اُس کی وضع قطع صاحب بہادر کی بن جاتی ہے۔

خطاب امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان، منارہ 17-07-2002

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ○

گزشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ ہوگیا جس غرض کے لئے وطن حاصل کیا گیا تھا نہ وہ غرض پوری ہوئی نہ وہ مقصد پورا ہوا اور نہ ہی وطنِ عزیز کی حفاظت کا حق ادا ہوسکا۔ اور جو ترقی ہم نے کی اُسے ترقی معکوس ہی کہا جا سکتا ہے یعنی ہم پیچھے کی طرف گئے الٹی طرف جانے میں ہم نے ترقی کی کہ ظاہری اعتبار سے آدھا ملک گنوا دیا اخلاق وکردار کے اعتبار سے اس نصف صدی میں ہم نے کئی صدیاں پیچھے کا سفر طے کر لیا۔ اور ہم میں سے ایک بہت بڑی اکثریت تو اب ظہور اسلام سے پہلے کے زمانے میں چلی گئی اللہ اور رسول پر ایمان کی بجائے رسومات کو دین سمجھا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذہنی طور پر ہم اسلام کو نہ چھوڑ سکے اور عملی طور پر ہم کفر کو نہ چھوڑ سکے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ اور تمدن میں ہنود
یہ مسلماں جسے دیکھ کے شرمائیں یہود

یعنی شکل وصورت ہم نے عیسائیوں اور نصاریٰ سے لی اور اُن جیسا بننا فخر سمجھا۔ جسے دو لقمے روٹی کے نصیب ہوتے ہیں اُس کی وضع قطع صاحب بہادر کی بن جاتی ہے۔ جہاں تک تمدن اور رہائش کا تعلق تھا تو ہم نے رسومات ہندوؤں سے لے لیں۔ آج سے بہت پہلے علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ اور تمدن میں ہنود
شکل سے تم نصرانی لگتے ہو اور کردار سے ہندو لگتے ہو اور دنیا کی سب سے رزیل ترین قوم یہودی ہے لیکن ہمارا کردار اتنا گر چکا ہے کہ آج ہمیں دیکھ کر وہ بھی شرماتے ہیں۔ کہ یہ تو بہت ہی گئے گزرے لوگ ہیں اس حالت میں ہم اپنی ایک بات پر قائم ہیں کہ ملک میں اسلام نافذ کرنا ہے۔ اسلام کیسے نافذ ہو، کیا کوئی طاقت آسمان سے اترے کوئی غیبی طاقت زمین سے پھوٹے جو زبردستی کر کے سب کو اسلام پر عمل کرنے پر مجبور کردے تو کیا ایسا کوئی امکان ہے ایسا کوئی امکان نہیں۔

دنیا دارالعمل ہے رب جلیل نے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرما کر ہدایت کا راستہ متعین فرما دیا اور اُس کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حکم دیا۔ اللہ جسے توفیق دے اور وہ زندگی اتباع سنت میں ڈھال لے اُس نے گویا اپنے حصے کا اسلام نافذ کر دیا۔ اب اگر یہ تعداد بڑھتے بڑھتے ملک میں اکثریت حاصل کر جاتی ہے تو از خود اسلام آجائے گا۔ ہم کہتے ہیں ہمارا عدالتی نظام غیر اسلامی ہے انگریز کا نوآبادیاتی نظام ہے بنایا ہوا اور اُس میں ہم انگریز اگرچہ مسلمان نہیں تھا لیکن اُس نے ہندوؤں کے لئے، مسلمانوں کے لئے، عیسائیوں کے لئے، ان سب کے لئے اُس نے ان کی مذہبی مقدس کتاب پر قسم دے کر شہادت طلب کی تھی آج بھی ہر گواہ عدالت میں پہلے اللہ کی کتاب پر ہاتھ رکھ کر قسم لیتا ہے کہ میں جو کہوں گا، سچ کہوں گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔ لیکن سارا جھوٹ بولتا ہے اس لئے جھوٹ بولتا ہے کہ نظام عدالت ایسا ہے اُس کی ضروریات ایسی ہیں۔ کہ اگر جھوٹ بول کر خانہ پُری نہ کی جائے تو سچا واقعہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ انصاف عدالتیں نہیں دیتیں انصاف نظام عدل دیتا ہے۔

امریکہ کا جو پہلا صدر تھا اس کا باپ

موجودہ صدر کا باپ جارج بش صدر تھا تو اُس کے خلاف ایک مقدمہ بنا تھا وہ اتنا شدید نہیں تھا جتنا بل کلنٹن کے خلاف تھا۔ لیکن اُس کے خلاف بھی انکوائری ہوئی' عدالت بیٹھی اور اُس عدالت میں اُس کے وکیل نے جج کے سامنے یہ بات کہی کہ حضور ہمیں انصاف چاہئے اور صرف انصاف انصاف سے زیادہ ہم آپ سے کچھ نہیں مانگتے۔

We Want Justice and Just Justice and Nothing More.

وہ جج جو غیر مسلم تھا اُس نے بہت خوبصورت بات کی اُس نے کہا مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو انصاف نہیں دے سکتا۔

I cannot provide you justice

کیوں نہیں دے سکتا اُس نے کہا کہ میں مجبور ہوں کہ جو ملکی آئین و دستور ہے اُس کے مطابق فیصلہ کروں۔ اگر آئین و دستور میں انصاف ہے تو انصاف آپ کو ملے گا اگر آئین میں انصاف نہیں ہے تو میں بحیثیت جج مجبور ہوں کہ میں اُس قانون کے مطابق فیصلہ کروں میں اُس سے باہر نکل کر کوئی فیصلہ نہیں لکھ سکتا کہ قانونی طور پر تو یہ بات ثابت نہیں ہے لیکن انصاف یہ ہے اس لئے میں یہ کر رہا ہوں اس کی مجھے اجازت نہیں ہے اور بہت خوبصورت بات اُس نے کہی کہ جو نظام ہے اگر اُس میں انصاف نہیں ہے تو عدالت انصاف کہاں سے دے گی عدالت بھی تو مجبور ہے کہ اُس کے اندر رہ کر فیصلہ کرے۔

اب ہمارے ہاں نظام عدالت ہی ایسا ہے کہ ایک آدمی واقعی قتل ہوا جس بندے نے قتل کیا آپ اس پر پرچہ دے دیں لیکن اب اس کا تقاضا ہے کے چشم دید گواہ ہو اس وقت وہاں کوئی بھی نہیں لیکن رپٹ لکھاتے وقت آپ دو تین نام لکھائیں گے فلاں نے بھی دیکھا فلاں نے بھی' فلاں نے بھی دیکھا واقعہ سچا ہے لیکن گواہ آپ جھوٹا پیش کریں گے جو قرآن پر قسم کھا کہ

> اللہ جسے توفیق دے
> اور وہ زندگی اتباع
> سنت میں ڈھال لے
> اُس نے گویا اپنے
> حصے کا اسلام نافذ
> کر دیا

جھوٹ بولے گا یعنی سچ کو بھی ثابت کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے اسلئے کہ نظام ہے ایسا ہے۔

اسلامی نظام عدل میں انصاف لوگوں کی باتوں کا محتاج نہیں ہے بلکہ حکومت اور عدالت اس بات کی مکلف ہیں کہ انصاف فراہم کریں جہاں واقعہ ہوتا ہے وہاں سے کوئی اطلاع دینے جائے یا نہ جائے عدالت کی ذمہ داری ہے کہ عدالت خود وہاں پہنچے۔ موقعہ پر تفتیش کرے بندوں کو جمع کر کے پوچھے اور اس کی فائل بنا کہ متعلقہ عدالت کو دے جس نے فیصلہ کرنا ہے پولیس کا کام ہے بندے جمع کرنا، بندے گرفتار کرنا، جو عدالت کہے۔ پھر اسلامی نظام عدالت میں یہ ہے کہ اگر متعلقہ عدالت سزا دیتی ہے اور اس سے اگلی عدالت بری کر دیتی ہے تو جہاں ملزم چھوٹ جائے گا وہاں عدلیہ کا بھی احتساب ہوگا اور اس سیشن جج سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کس بنا پر اسے سزائے موت دی تھی۔ اگر مقدمے میں شہادتیں کافی نہیں تھیں اور وہ سزا موت نہیں دے سکتا تھا تو کیوں دی کیا رشوت لی، سفارش سنی، یا اس میں اہلیت ہی نہیں ہے کہ اس مسئلے کو سمجھ سکتا۔ اگر رشوت لی تو اس پر الگ مقدمہ بنے گا سفارش پر فیصلہ کیا تو الگ مقدمہ بنے گا۔ اور نا لائق ہے تو ویسے نوکری سے برخواست کر دیا جائے کہ اس قابل نہیں ہے کہ وہ عدلیہ کا کام کرے لہذا کوئی بھی اسلامی عدالت بلا سوچے سمجھے فیصلہ نہیں کیا کرتی۔ سلاطین و امراء کے زمانے میں بھی اسلام کی تاریخ میں موجود ہے کہ بادشاہوں کے خلاف شکایتیں ہوئیں اور قاضیوں نے بادشاہوں کو عدالت میں طلب کر کے اگر ان کے خلاف شکایت تھی تو مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کیا اور اگر بادشاہ کی شہادت چاہیے تھی تو اسے گواہ کے کٹہرے میں کھڑا کیا۔

لیکن یہ سب صورت حال تب ہو جب ہمارے اندر بھی انصاف ہو، ہماری ذات کی جب بات آتی ہے تو ہمیں انصاف بھول جاتا ہے ہمیں صرف اپنی خواہش یاد رہتی ہے مثلاً حکومت نے ایک دستور بنا دیا تقسیم وراثت کا

، جائیداد کا، زمینوں کا، اسے شریعت کے مطابق ڈھال دیا اور حکومت نے کسی خلوص سے نہیں بنایا تھا حکومت بھی زمینداروں کی قوت سے خائف تھی کہ ہر الیکشن میں یہ جیت جاتے ہیں مزارعین کے ووٹ لے لیتے ہیں اور یہ بڑے بڑے زمیندار جو ہیں یہ ہمیں زندہ نہیں رہنے دیتے لہذا انہیں کسی نہ کسی طرح سے نکیل ڈالی جائے انہوں نے کہا ان کی جائیداد کو اسلام کے مطابق تقسیم کرو تو ان کی جائیدادیں گھٹنا شروع ہو جائیں گی ایک زمانہ تھا جب ملک پر لینڈ لارڈ کی یعنی زمینداروں کی حکومت تھی جب زمینداروں کو اقتدار سے ایک حد تک نکالا گیا تو اس کی جگہ کارخانہ دار آ گئے اور اب تک جاگیرداروں اور کارخانہ داروں کے درمیان مقابلہ چلا آ رہا ہے کارخانہ دار جب آئے تو جو بھی ایم۔پی۔اے بنا ایم این اے بنا، وزیر بنا، وزیر اعظم بنا، یا صدر بنا، تو اس کے پہلے ایک کارخانہ تھا دو چار سال کے اقتدار میں اسکے دس، بارہ، پندرہ ہو گئے۔

پہلے ملک میں تھے پھر باہر غیر ملکوں میں بھی ہو گئے اب آپ دیکھ لیجئے کہ پچھلے بیس پچیس سالوں میں کارخانہ دار اقتدار میں رہے کوئی ایسا بندہ بچا جس کے پاس پہلے ایک بھٹی تھی اب اُن کی دس دس ملیں ہو گئیں یعنی وہ اپنے دھیان سے اپنا بزنس بڑھانے میں لگے رہے۔ عام آدمی جو تھا اسے یہ اسلامی قانون بھی گوارا نہیں ہے اب جن کے دو دو سو، چار چار سو، ہزار ہزار مربع زمین ہے چلو ان کو تو چھوڑ دو جہاں جن کی دس پندرہ بیس بیگھہ زمین ہے، پانچ بیگھے زمین ہے، وہ بھی بیٹیوں کو دینے پر راضی نہیں ہیں۔ اگر بندہ اتفاقاً مر جائے وہ خود بیٹوں کے نام منتقل نہ کرا سکے تو وہ بھائی بہنوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے نام کر دو۔ کبھی کسی بھائی نے بھی کہا ہے کے مجھے زمین نہیں چاہئے، ساری بہن کو دے دو۔ خواہ دس مرلے ہو، کوئی بھائی نہیں دیتا ہمیشہ بہنیں دیتی ہیں گزشتہ بیس سالوں سے ہم اس سے بچنے کے حربے استعمال

کر رہے ہیں یہ تو ہماری حالت ہے باقی کیا ہمیں اسلامی انصاف نصیب ہوگا؟ یعنی ہم میں اسلامی انصاف کی طلب ہی نہیں ہے اور ہم اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں اپنے کو چھوڑ کر، دوسروں پر۔ میں تو جو جی چاہے کروں دوسروں پر اسلام نافذ ہونا چاہئے۔

اس طرح معیشت میں سود ہے لیکن سود زبردستی تو نہیں دیا جاتا۔ ایک خانہ ایسا بھی ہے ہمارے بنکوں میں کہ اگر کوئی سود نہیں لینا چاہتا تو وہ کرنٹ اکاؤنٹ میں اپنے پیسے رکھ سکتا ہے۔ کرنٹ اکاؤنٹ میں الناسروسز چارجز دینا پڑتے ہیں۔ بنک سالانہ کچھ نہ کچھ رقم لیتا ہے اس بندے سے جس کے پیسے کرنٹ اکاؤنٹ میں ہوں کہ ہم نے تمہاری رقم کی حفاظت کی لہذا ہمیں اتنے اخراجات ادا کرو۔ جو سود پہ جمع کراتا ہے اسے سود دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پورا ملک اپنی مرضی اپنی پسند سے سود کھا رہا ہے اور نفاذ اسلام کا مطالبہ بھی کر رہا ہے یعنی کیسی عجیب بات ہے کہ عملاً تو ہم سود خور ہیں اور زبانی کہتے ہیں کہ اسلام نافذ کیا جائے۔ یہی حال ہمارا اقتدار کی جنگ میں بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ذاتی نفع نقصان کی بنیاد پر سوچتے ہیں اس میں کوئی دین کی سوچ نہیں ہوتی۔ پھر ایک بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ جو بندہ ان باتوں کو سمجھانے کی کوشش کرے، پہلے تو اس پہ ایک فتویٰ لگایا جاتا ہے کہ یہ وہابی ہے۔ اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیا میں کبھی وہابی نام کا کوئی طبقہ نہ ہوا ہے نہ کسی نے دیکھا ہے یہ ایک ایسا لفظ ہے لوگ شیعہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں شیعہ ہوں۔ سکھ ہیں وہ کہتے ہیں میں سکھ ہوں۔ ہندو ہیں وہ کہتے ہیں میں ہندو ہوں۔ دیوبندی، بریلوی میں ہم بٹ گئے دیوبندی کہتے ہیں کہ میں دیوبندی ہوں، بریلوی کہتا ہے میں بریلوی ہوں، کوئی کبھی آپ نے دیکھا کہ کوئی کہتا ہو کہ میں وہابی ہوں چونکہ وہابی کوئی فرقہ ہی نہیں ہے۔ بڑی دیر بعد انگریزوں نے ایک کتاب لکھی

Our Indian Muslims

ہمارے ہندوستانی، مسلمان اس میں خود انہوں نے انکشاف کیا کہ ہم نے جب مسلمانوں کو تقسیم

کرنا چاہا کہ ان کی قوت کو منتشر کیا جائے تو بڑی سوچ بچار کے بعد ہم نے ایک لفظ وہابی ایجاد کیا چونکہ موجودہ جو سعودی حکومت ہے اس کو لانے میں، ابن سعود کو یا سعود کو لانے میں محمد بن عبدالوہاب ایک عربی عالم تھے، ان کا بڑا عمل دخل تھا۔ اَدْرِیَہ چھوٹی سی ریاست تھی جس کا سربراہ تھا۔ سعود ان کا دادا ال سعود اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی ریاست تھی اس میں محمد بن وہاب رہا کرتا تھا اور رسومات کے خلاف اس نے تحریک شروع کی۔ اس کی تحریک ایک ردعمل تھا جو رسومات دین کی جگہ جڑ پکڑ گئی ہیں۔ اُن کے خلاف ردعمل میں بھی شدت آ جاتی ہے اس کے ردِعمل میں بھی شدت آئی اس ریاست کے امیر نے اسے اپنی ریاست سے نکال دیا لیکن یہ سعود دانش ور تھا وہ سمجھا کہ اَب لوگ اس کی بات سُن رہے ہیں تو کیوں نہ اسے ساتھ ملایا جائے اس نے اسے ساتھ ملا لیا اور دونوں کی طاقت مل کر ایک انقلاب کا پیش خیمہ بن گئی، ادھر عثمانی ترکوں کے خلاف اہل مغرب سازش کر رہے تھے جن کا تسلط تھا حرمین شریفین کے علاقے پر، ان کے خلاف مغربی استعمار نے سازش کی ترکوں کی بساط الٹی اب کسی نہ کسی کو اُس کی جگہ لینی تھی محمد بن عبدالوہاب اور سعود علاقے چھین کر پورے عرب کے حکمران بن گئے اور سارے عرب کو سعودی عرب کہا جانے لگا۔ تاریخ میں یہ بھی پہلی بار ہوا کہ عرب کا خطہ کب سے آباد ہے اور اُس پہ بڑے بڑے عظیم لوگ ہوئے لیکن عرب عرب ہی رہا حتیٰ کہ آقائے نامدار ﷺ کی حکومت میں بھی کسی نے اُسے محمدی عرب نہ کہا۔ لیکن انہوں نے آتے ہی ساتھ اپنا وہ سعودی لگا دیا اور عرب سعودی عرب بن گیا اب نئی پود سمجھتی ہے کہ عرب ہے ہی سعودی عرب یعنی کسی کے ذہن میں سعودی سے کٹ کر کوئی عرب: تصور نئی نسل کے ذہن میں نہیں ہے۔ وہ نام جو تھا محمد بن عبدالوہاب کا وہ ایک چڑ گیا تھا مسلمانوں میں وہاں سے انگریزوں نے لفظ وہابی ایجاد کیا اب جو حکومت کے خلاف بات کرتا، جو رسومات کے خلاف بات کرتا، یہ وہابی ہے چلو بات ختم۔

> انگریزوں نے انکشاف کیا کہ ہم نے جب مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا کہ ان کی قوت کو منتشر کیا جائے تو بڑی سوچ وبچار کے بعد ہم نے ایک لفظ وہابی ایجاد کیا

اس طرح کوئی بندہ وضاحت سے بات کر دے سمجھانے کی کوشش کرے تو زیادہ ناراض ہوں تو پھر اسے قادیانی کہہ دیا جاتا ہے قادیانی ہونے کے لئے مرزا غلام احمد کذاب کو نبی ماننا پڑتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کرنا پڑتا ہے ختم نبوت کا منکر بھی کافر، جھوٹے نبی کو نبی ماننے والا بھی کافر، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فقہاء کا اجماع اس بات پر ہے کہ ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو کوئی اس سے دلیل پوچھے، تو دلیل پوچھنے والا بھی کافر کہ اس کے ذہن میں بھی یہ امکان ہے۔ اگر کوئی دلیل دے کہ نبی ہو سکتا ہے لہٰذا وہ ختم نبوت کا منکر ہے اور کافر ہے اس کے دعویٰ کو علماء حق نے اس کی زندگی میں پیس کر رکھ دیا۔ بڑے بڑے مناظرے ہوئے، مباہلے تک بات گئی اور یہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اس کی تصنیفات کے جواب لکھے گئے پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف والوں نے اسے بہت بھگایا پھر ہر عالم نے اسے اللہ نے توفیق دی ہر عہد میں حتیٰ کہ ختم نبوت کی ایک پوری جماعت بن گئی جس کا ہر عالم اس موضوع یہ بات کرتا ہے اور لوگوں کو ان سے متنفر کر دیا ملک میں نہیں، بیرون ملک بھی افریقہ میں مقدم چلا اور اس عدالت میں بھی مسلمان علماء نے اس ملک سے جا کر، پاکستان سے جا کر ثابت کیا کہ یہ مسلمان نہیں ہیں کافر ہیں اور اس عدالت نے بھی انہیں غیر مسلم اور کافر تسلیم کیا۔ یہ تو تھی اللہ کے بندوں کی محنت لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی بندہ بھی آپ کے پاس ٹیلنٹڈ ہے اور وہ سمجھ داری کی بات کرتا ہے اسے آپ قادیانیوں کے سپرد کر دو ضیاالحق آیا تو ہم نے یہی کہہ کر دھکا دے دیا۔ یہ قادیانی ہے حالانکہ وہ دیندار شخص تھا اگر علماء تعاون کرتے تو اُس سے بہت سا فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ ڈاکٹر غلام مرتضےٰ مرحوم جو پچھلے دنوں ظالمانہ طور پر قتل کر دیئے گئے انہوں نے مجھے خود سنایا پنجاب میں وہ ڈپٹی سیکرٹری ہوا کرتے تھے وہ کہتے تھے میرے ساتھ ایک میرا شیعہ ساتھی تھا تو ایک دن بات ہوئی ویسے باتوں باتوں میں وہ کہنے لگا کہ بھئی مولانا تم اکڑتے ہو

ضیاء الحق کی حکومت ہے اور تمہاری بات بنی ہوئی ہے تو وہ فرماتے میں نے اُسے کہا کہ ضیاء الحق ہمارا تو نہیں ہے وہ قادیانی ہے وہ کہتے ہیں وہ شیعہ مجھے کہنے لگا کہ جتنا وہ تمہارا ہے اے کاش اتنا وہ ہمارا ہوتا۔ ہم تمہیں ناکوں چنے چبوا دیتے لیکن تم ہو ہی جاہل، تم کسی بندے کو ساتھ رکھنے کی بجائے اسے ادھر دھکیلنے پہ زیادہ خوش ہوتے ہو ایک بندہ کہتا ہے میں مسلمانوں ہوں تم کہتے ہو نہیں تم قادیانی ہو۔

جب ہمارا عالم یہ ہے کہ ہمیں کوئی رسومات سے یا کوئی جہالت سے روکے تو بجائے اس کے ہم اپنی اُس جاہلانہ حرکت پر غور کریں ہم اس بندے پہ فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ اب پرویز مشرف آ گیا میرا خیال ہے پچاس دفعہ یہ بھی قسمیں دے چکا ہے کہ میں ختم نبوت کا اقرار کرتا ہوں اُس کا جو منکر ہے اسے کافر سمجھتا ہوں لیکن ابھی تک آدھے سے زیادہ لوگ جب ملتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ قادیانی ہے۔ ارے تم نے کیسے اُس کا دل چیر کے دیکھ لیا جب وہ کہتا ہے میں قادیانی نہیں ہوں میں مسلمان ہوں تو آپ اُس کے قریب ہوں اسے کوئی اسلام کی بات سمجھائیں۔ ایک آدمی ہے جو جانتا ہے کہ آپ کا معاشرہ ایسا ہے کہ جو دین پڑھتا ہے اُسے آپ دنیا کا کوئی کام نہیں سکھاتے جو دنیا کے علوم پڑھتا ہے اُسے آپ دین سے واقف نہیں ہونے دیتے تو سارا ٹیلنٹ اس طرح سے ضائع ہو جاتا ہے آدھے آدھے علم میں آدھا ایک کے پاس، آدھا ایک کے پاس۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ العلم علمان۔ جسے علم کہتے ہیں پورا علم جو ہے اُس کے دو حصے ہیں علم الادیان وعلم الابدان دین کا علم نامیٹو سائنسز کا علم، عقائد، اخلاقیات، ایمانیات، عبادات، معاملات ان کا علم۔ علم الابدان اور انسانی وجود کا علم فزیکل سائنسز دو ہی سائنسیں ہیں نارمیٹو سائنسز، فزیکل سائنسز، وہ روحانی یا عقیدے کی کسی طرح سے کیا صحیح ہے،

ہمیں کوئی رسومات سے روکے تو بجائے اس کے ہم اپنی جاہلانہ حرکت پر غور کریں ہم اُس پر فتویٰ لگا دیتے ہیں

کیا غلط ہے انسانی معاشرے کی تحقیق، انسانی وجود کی، اُس کے رشتوں کی۔ اُس کی بہتری، اس کے نقصانات کی تحقیق۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ دونوں ملتے ہیں یعنی روحانی علم اور جسمانی۔ روحانی علم اور مادی علم جب یہ دونوں ملتے ہیں تو علم بنتا ہے۔ ہمارا حال تو ہے کہ ہم نے آدھا آدھا علم بانٹا ہوا ہے آدھا ایک طرف ہے آدھا ایک طرف ہے۔

اگر حکومت نے دینی معلومات کو اپنے نصاب میں داخل نہیں کیا تھا تو کیا اہل مدرسہ نے دنیوی معلومات کو اپنے سلیبس میں جگہ دی۔ یعنی زیادتی تو یہ ہوئی کہ ہم کہتے ہیں کہ حکمران بے دین تھے اُنہوں نے دین کو نصاب میں نہیں آنے دیا تو اہل مدرسہ تو دیندار تھے، نیک تھے، پارسا تھے، وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حکم پر عمل کرتے اور اپنے نصاب میں دنیوی علوم کو شامل کرتے تاکہ جو مدرسے سے نکلتا وہ جج بھی بنتا، وہ ایس۔ پی بنتا، وہ کہیں ڈپٹی کمشنر لگتا، وہ فوج میں جرنیل بنتا تو شاید وہ مدرسے کا نکلا ہوا جرنیل جب انقلاب لاتا تو اسلامی انقلاب ہوتا لیکن اہل مدرسہ نے بھی تو کچھ نہیں کیا۔ حالانکہ اہل مدرسہ کے پاس تو حضور ﷺ کا یہ حکم موجود تھا کہ مکمل علم جو ہے وہ روحانیت اور مادیت کے علم کو ملا کر بنتا ہے۔ تو اس سارے عالم میں ہمیں جب بھی ضرورت پڑتی ہے پچپن سال ہو گئے ہر الیکشن، ہر تبدیلی میں اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے اسلام خطرے میں ہے۔ اسلام خطرے سے باہر کب تھا جب سے ملک بنا ہے اسلام پر امن کا دن کونسا گزرا۔ بھائی وہ بھی تو بتاؤ کہ فلاں دن تو اسلام محفوظ تھا۔

میں نے مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث شریف پڑھی نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یتیم کے سر پر جب کوئی شفقت سے ہاتھ رکھتا ہے تو جتنے بال اُس کے ہاتھ کے نیچے آتے ہیں اتنی نیکیوں کا ثواب پاتا ہے یہ حدیث پڑھ کر میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ یارسول ﷺ آج تو اِس ملک میں آپ ﷺ کے دین سے بڑا کوئی یتیم نہیں ہے جو آدمی کسی بھی قابل نہیں ہے دین کا مذاق اڑا سکتا ہے، کوئی روکنے والا نہیں ہے، جو آدمی گلی

محلے میں کسی ایک ادنیٰ سے بندے کی مخالفت نہیں کرسکتا وہ رمضان شریف میں سگریٹ سلگا کر پھر سکتا ہے اُسے کوئی نہیں روکتا، ہوٹل کھول سکتا ہے، چائے بیچ سکتا ہے، اسے رمضان شریف میں کون روکتا ہے۔ سب کے سامنے کھا پی سکتا ہے یعنی دین سے کمزور چیز ہمارے ہاں کوئی بھی نہیں۔ تو جب ہمارا یہ عالم ہے دین کے ساتھ علمی دلچسپی کا تو دین نافذ کیسے ہوگا۔ جو بھی نفاذ دین میں مخلص ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین کو اختیار کرے۔ اختیار کرنے کے لئے سمجھنا اور جاننا ضروری ہے، فرض کا جاننا فرض ہے، سنت کا جاننا سنت ہے، واجب کا جاننا واجب ہے۔

ہماری تو عمر گزر گئی لوگوں نے پی ایچ ڈی تک کر لی لیکن آپ نماز سُن لیں تو وہی آتی ہے جو بڑی دادی نے کہیں یاد کرائی تھی۔ اُس کا تلفظ غلط تھا یا صحیح، معنی پوچھ لیں تو کسی کو اُس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ تو جس بندے کو بھی اللہ توفیق دے اور اُس کے دل میں دین کے لئے خلوص ہو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین کو سیکھے جانے، جاننے والوں کے پاس جائے اللہ کی کتاب کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اللہ توفیق دے تو اُس پر اُس طرح سے عمل کرنے کی کوشش کرے۔ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے یہ بنیاد بنے گی اسلامی انقلاب کی۔ اور اگر ہم نے یہ راستہ اختیار نہ کیا تو اسلام کو باقی رہنا ہے اسلام مٹے گا نہیں۔ دوسرا راستہ اسلام کا بڑا کٹھن اور بڑا مشکل ہے انقلاب کا دوسرا راستہ خونی انقلاب کا ہوتا ہے اور موجودہ عہد کی جنگیں آپ سمجھتے ہیں کتنی تباہی لاتی ہیں اللہ ہر خطہ زمین کو انسانوں کی جنگ سے بچائے۔ آمین

سانڈھوں اور بھینسوں کی جنگ گھاس اور جھاڑیاں روندتی ہیں، ہاتھیوں کی جنگ درخت گرا دیتی ہے، شیروں کی جنگ ایک کی موت پہ ختم ہو جاتی ہے لیکن انسانوں کی جنگ

> "آپ کا معاشرہ ایسا ہے کہ جو دین پڑھتا ہے اُسے آپ دنیا کا کوئی کام نہیں سکھاتے جو دنیا کے علوم پڑھتا ہے اُسے آپ دین سے واقف نہیں ہونے دیتے"

ملکوں کے ملک بے چراغ کر دیتی ہے۔

اب انسان تحقیق کے جس دور میں ہے یہ ایٹمی دور ہے اور آنِ واحد میں لاکھوں وجودوں کو خاکستر بنا دینے والا دور ہے۔ لہٰذا اللہ توفیق دے تو بہتر راستہ یہ ہے کہ ہم اسلام پر عمل کا راستہ اپنائیں اور عزت و آبرو اور سلامتی کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی پناہ میں آجائیں۔ اگر یہ نہ ہوگا تو دوسرا ہوگا اس لئے کہ اسلام کو اللہ باقی رکھے گا اسلام مخالف قوتوں کو تباہ ہونا پڑے گا خواہ وہ آپس میں لڑ کر تباہ ہوں خواہ وہ اللہ کے بندوں کے ہاتھوں تباہ ہوں اور اگر ایسا انقلاب آیا تو پھر وہی خوش قسمت بچیں گے جو دامانِ سنت رسول اللہ ﷺ میں پناہ گزریں ہوں گے۔ یا خوش نصیب اُن میں سے بھی بیشتر شہادت کے رتبے پائیں گے پھر سُدھرے ہوئے لوگ بچ جائیں گے یہ مشکل راستہ ہے اللہ ہمیں توفیق دے تو ہم اختیاری طور پر اتباعِ رسالت ﷺ اختیار کر کے پُرامن راستے سے تبدیلی لاسکیں۔ آمین

منبع فیض :- فرمایا۔ چونکہ ربوبیت کا عہد انفرادی تھا جو عالمِ ارواح میں لیا گیا اس لئے ربوبیت کا فیض بھی انفرادی ہے۔ نبوت کا عہد چونکہ بوساطت انبیاء تھا اس لئے نبوت کا فیض پہنچنے کے لئے ایمان شرط ہے۔

محبت شیخ اور مقامات

فرمایا۔ مقامات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے شیخ کے ساتھ رہتے ہوئے شیخ کی قوت پر روح کہیں پہنچ جائے۔ ایک ہوتا ہے کہ روح کی اپنی ذات کا خاصہ بن جائے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ روح کی اپنی ذات میں استعداد پیدا ہو کہ وہ اس چیز کو جذب کر کے اپنا خاصہ بنا لے۔ اس کے لئے یہاں جتنا وقت آپ گزارتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ذکر پہ لگنا چاہئے۔

سچی توبہ کا مطلب

فرمایا۔ معلوم ہوا کہ گناہ انسان کی سرشت میں ہے مگر گناہ کا علاج توبہ ہے اور سچی توبہ وہ ہے کہ آدمی تعلق باللہ کے لئے اپنے اندر ایک مطلب ایک تڑپ محسوس کرے اور یہ طلب اہل اللہ کی تلاش کا سبب بنے۔ پھر ان لوگوں سے مل کر اپنے باطن کو منور کرے۔

اقتباس از کنز الطالبین

ہم اس پاک وطن پر

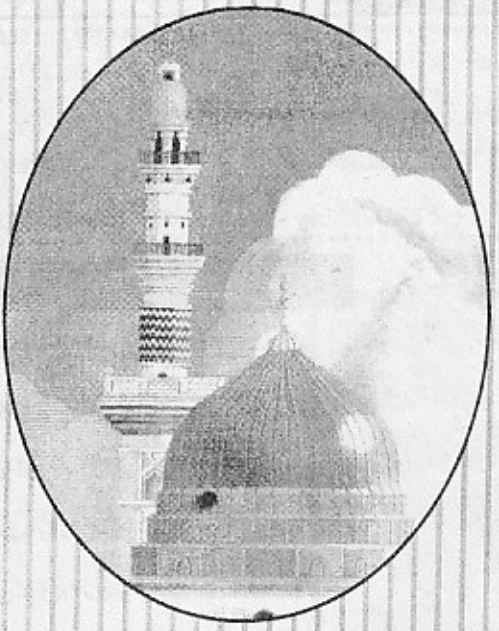

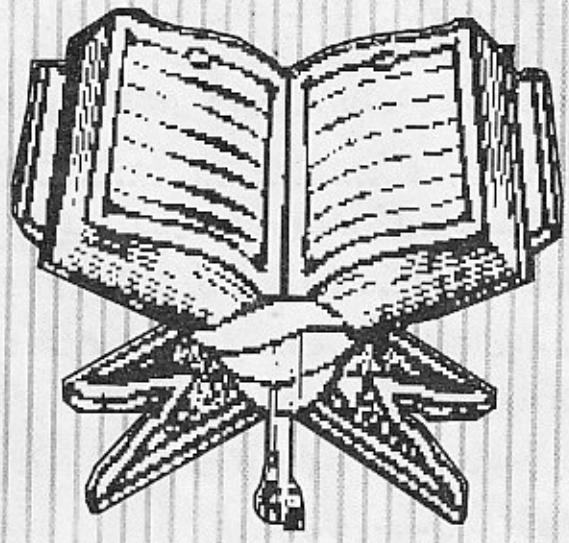

قرآن و سنت

کی حاکمیت چاہتے ہیں

شیخ ناصر، شیخ عبدالستار گلی نمبر 1 بالمقابل رحمان مارکیٹ

منٹگمری بازار فیصل آباد فون 617057-611857

تاجران : کاٹن یارن اینڈ پی سی یارن

73ء کا آئین تقریباً اسی فیصد غیر اسلامی ہے

ان دنوں ہمارے سیاسی خصوصاً دینی سیاسی راہنما اپنی تمام جملہ مشکلات کا مداوا 1973ء کے آئین کو گردانتے ہوئے اس کی من وعن بحالی کیلئے تگ ودو کر رہے ہیں۔ اگرچہ ایل ایف او کو آئین کا حصہ بنا کر تبدیلیاں بھی لائی جا رہی ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں مختلف ماہرین سیاسیات مختلف نکتہ نظر رکھتے ہیں۔ چوہدری رحمت علی نے اپنے ماہنامہ ''سبق پھر پڑھ'' ماہنامہ جنوری 2003ء میں اپنے قلم کی جنبش کو اسی آئین کی طرف مرکوز رکھا۔ جس میں انہوں نے واضح کیا کہ 73ء کا آئین تقریباً اسی فیصد غیر اسلامی ہے۔ قارئین المرشد کے استفادہ کیلئے اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

چوہدری رحمت علی

بے شعوری و نادانی میں بچہ دہکتے ہوئے انگارے کی طرف لپکتا ہے انجام سے بے خبر کہ اس کے ہاتھ میں اگر انگارا آ ہی گیا تو انتہائی اذیت کا باعث ہوگا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت ہمارے ہاں کے دینی سیاسی رہنماؤں کی ہے کہ جو ۷۳ء کے آئین کو ہماری جملہ مشکلات کا مداوا گردانتے ہوئے اس کی من وعن بحالی کی تگ ودو کر رہے ہیں۔ ''سبق پھر پڑھ،، کا یہ شمارہ ان کی اس بھول بلکہ غلطی کو اجاگر کرنے کے لئے مختص کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بھی ملک کا نظام زندگی وہاں کے آئین کی پیداوار ہوتا ہے۔ روس کا آئین جو اشتراکیت پیدا کرتا ہے اگر امریکہ میں نافذ کر دیا جائیگا تو امریکہ میں اشتراکیت کا دور دورہ ہو جائے گا اور اگر امریکہ کا آئین روس میں نافذ کر دیا جائے تو وہاں سرمایہ دارنہ جمہوریت کی داغ بیل پڑ جائے گی۔ غرضیکہ جیسا آئین ویسا ہی نظام۔ ہمارے ہاں ۱۹۷۳ء سے ایک آئین سوائے ان وقفوں کے کہ جن میں فوجی حکمرانوں نے اسے معطل کر دیا، نافذ ہے۔ جو نظام زندگی ہمارے ہاں رواں دواں ہے اور جس کے متعلق رتی بھر شک نہیں کہ یہ غیر اسلامی اور کرپشن زدہ ہے، اسی آئین کا پیدا کردہ ہے جسے ہم ۱۹۷۳ء کا متفقہ پاس کردہ آئین کہتے ہیں۔ اس جیسا آئین اگر دورِ خلافتِ راشدہ میں بھی نافذ کر دیا جاتا تو خلافتِ راشدہ کا نظام کبھی معرض وجود میں نہ آتا۔

''من حرامی اور جتاں ڈھیر'' کی بات تھی' اصل میں ۱۹۷۳ء کے آئین کے مصنفین چاہتے ہی نہ تھے کہ ملک پاکستان میں اسلام کا دور دورہ ہو جائے۔ اپنی اس چاہت کی تکمیل میں انہوں نے الٹا کان پکڑا تو اس طرح کہ آئین قرار دیئے جانے والا کتابچہ تو بنایا اپنی اور رسم زمانہ کی خواہشات کے مطابق لیکن کچھ لوگوں کے اصرار پر اس میں لکھ دیا کہ اسے بعد میں مسلمان کیا جائے گا۔ خود ساختہ آئین کی تدوین وترتیب البتہ اس یقین کے ساتھ کی کہ کوئی مائی کا لعل اگر چاہے بھی تو اسے تا قیامت کلمہ نہ پڑھا سکے۔ ان کی عیارانہ پلاننگ بلکہ پرفریب چال اس قدر کامیاب نکلی کہ ۱۹۷۳ء سے آج تک ایک بھی متبادل قانون قرآن وسنت کے مطابق نہیں بن پایا۔ اس دوران دو قوانین کو عدالت میں لایا گیا۔ وفاقی شرعی عدالت نے ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو طرز انتخاب کے متعلق دائر کردہ شرعی درخواستوں کا فیصلہ سناتے ہوئے عوامی نمائندگی کے قانون کی دفعات ۱۳، ۱۴، ۴۹، ۵۲ اور ۳۸ (۴) (سی) (ii) کو قرآن وسنت کے متصادم قرار دیا اور صدر پاکستان کو ہدایت کی کہ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۹ء تک متبادل قانون سازی کر لی جائے۔ اسی طرح ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو اسی عدالت نے سود کے متعلق ۲۲ قوانین کو کالعدم قرار دیتے ہوئے ان قوانین کو ۳۰ جون ۱۹۹۲ء تک اسلامی احکامات کے مطابق ڈھالنے کی ہدایت دی۔ آج تک ایسا نہیں ہو پایا۔ دونوں قوانین عدالت سے غیر شرعی قرار دیئے جانیکے علی الرغم اہل پاکستان کا مقدر ہیں۔

قرآن مجید کے بار بار چیلنج کے باوجود مشرکین عرب نے یہ جسارت نہ کی کہ قرآن مجید کو پس پشت ڈالکر کوئی خود ساختہ کتابچہ لے آتے۔ ہم نے یہ حماقت کی اور بدستور کئے جا رہے ہیں۔ کس قدر بدبختی اہل پاکستان کی کہ اللہ کی ڈٹ کر نافرمانی اور مسلسل! مشرکینِ عرب بالآخر یہ پیشکش لے کر نبی کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اس (قرآن) کی بجائے کوئی اور

قرآن لے آؤ یا اسی میں ترمیم کر دو'' (یونس:15)۔ رسول ﷺ کیا ان کے فریب میں آ گئے یا وعدہ کیا کہ بعد میں ان کی خواہش پوری کر دیں گے۔ کیسے کرتے' قرآن مجید نے تو انہیں بھی متنبہ کر رکھا تھا تو اس طرح' فرمایا۔

''اسی طرح ہم نے یہ فرمانِ عربی پر نازل کیا ہے۔ اب اگر تم نے اس علم کے باوجود کہ جو تمہارے پاس آ چکا لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکتا ہے،، (رعد:37)

یہ کسے متنبہ کیا گیا' ظاہر ہے بعد از خدا بزرگ توئی کو۔ اور کون ہوتا ہے جو ایسی دستاویز پر دستخط ثبت کر دے جو آدھی تیتر' آدھی بٹیر کی مصداق کچھ اسلامی اور کچھ غیر اسلامی ہو،، کچھ کا بھی کیا مطلب' اگر فریب دینے کی خاطر اس میں بادل نخواستہ کہیں اسلام کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے تو دوسرے حصوں میں پورا بندوبست کر کے اور کچھ ہو تو بہرحال وہ اسلامی نہ بن پائے۔ قرآن مجید کو پس پشت ڈال کر یا اپنے ہاتھوں سے لکھی جانے والی دستاویز کس قدر پر فریب اور غیر اسلامی ہے' آئین ملاحظہ فرمائیں۔

طرز انتخاب:-

کسی بھی نظام میں طرز انتخاب کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ معرضِ وجود میں لائے جانے والے نظام کی یہ پہلی اینٹ ہے۔ اگر یہ پہلی اینٹ ٹیڑھی لگ جائے تو تا ثریا دیوار کج ہی جائے گی۔ قرآن و سنت کو تو یہ طرز انتخاب وضع کرتے وقت درخور اعتناء ہی نہ سمجھا گیا' اپنی خواہشات اور رسم زمانہ کی پیروی کرتے ہوئے اس میں ''ہر بالغ فرد' ایک ووٹ'' کے اصول کو اپنایا گیا۔ اسلامی تاریخ کے ورق الٹیے' بار بار الٹیے' چاروں خلفاء راشدین میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی اس اصول کے مطابق نہ ہوا۔ آخر

جس نظام کی اٹھان لوگوں کی اکثریت کے بل بوتے پر ہوگی' وہ نظام لازماً جاہلانہ ہوگا۔ رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''نہیں دیتے عہدہ ہم اسے جو خود مانگتا اور تانگتا پھرے''

کیوں؟ اس لئے کہ قران مجید اس اصول کے برعکس مستقل ایک اور اصول دیتا ہے۔ قرآن کریم میں بار بار آیا '' اکثر الناس لا یعلمون..... لوگوں کی اکثریت ہمیشہ جاہل ہوتی ہے''۔ بالفاظِ دیگر جس نظام کی اٹھان لوگوں کی اکثریت کے بل بوتے پر ہوگی' وہ نظام لازماً جاہلانہ ہوگا۔ اسلام میں حق رائے دہی صرف ارباب حل وعقد یعنی پہلے سے موجود اولی الامر کو حاصل ہے اور بس خود امیدوار کھڑے ہو کر اپنے حق میں ووٹ مانگتے پھرنا اور اپنی تعریف خود کرتے پھرنا باطل نظام کی پرورش کرنے کا ایک اور ذریعہ ہے۔ اسلام پہلے ہی قدم پر اس بھیانک روش کا قلع قمع کرتا ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ''نہیں دیتے عہدہ ہم اسے جو خود مانگتا اور تانگتا پھرے،،

بڑا اہم کام ہے عوامی نمائندوں کے لئے معیار اہلیت مقرر کرنے کا۔ اسلام اس بارے میں کیسے خاموش رہ سکتا تھا؟ پانچ اوصاف یعنی ایمان (نور:55)' تقوی (حجرات:13)' صلاح (نور:55)' علم اور جسم (بقرۃ:247) پر مشتمل معیار اہلیت خود قرآن میں دیا گیا۔ ہمارے ہاں کے مروجہ طریق انتخاب جسے ۷۳ء کے آئین کی پشت پناہی حاصل ہے کی دفعات ۶۲ اور ۶۳ میں گو معیار اہلیت دینے کی بودی سی کوشش کی گئی ہے لیکن وہ اس قدر ناقابل عمل ہے کہ عملاً صرف ایک ہی اہلیت وجہ کامیابی بن کر رہ گئی ہے اور وہ اہلیت ہے'' سرمایہ داری'' یعنی سرمایہ کاری کرنے کی استعداد۔ رب کائنات کو پتہ تھا کہ عیار لوگ سرمائے کے بل بوتے پر لوگوں کو رام کرنے کی جسارت کریں گے لہذا اس نے جس آیہ مبارکہ میں علم اور جسم جیسی دو اہم اوصاف کو قرآنی معیار اہلیت کا حصہ بنایا اسی میں سرمایہ داری و سرمایہ کاری کو معیار اہلیت بنانے کی نفی کر دی۔ ملاحظہ ہو۔

قرآن:-

''ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے'' ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے''۔ نبی نے جواب دیا'' اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسے منتخب کیا ہے اس لئے کہ اسے علم

اور جسم کی اہلیتیں فراوانی سے عطا کی ہیں.....''

ہمارے ہاں کا مروجہ طرزِ انتخاب تو ویسے ہی قمار بازی کی ایک بھیانک اور وسیع تر شکل ہے۔ جوئے کی فقہی تعریف یہ ہے کہ ایسا کھیل جس میں چند جوئے باز سرمایہ لگاتے ہیں۔ پورے لگائے گئے سرمایہ کا فائدہ ایک جوئے باز لے اڑتا ہے' باقی تمام ہاتھ ملتے گھر لوٹتے ہیں۔ یہی تو ہمارے ہاں انتخابات میں ہوتا ہے۔ ایک حلقے میں چند افراد سرمایہ لگاتے ہیں۔ پورے لگائے گئے سرمائے کا فائدہ ہونے والا قمار باز لے اڑتا ہے' باقی تمام ہاتھ ملتے گھر لوٹتے ہیں۔ تھڑے پر جوا کھیلنے والے قمار بازوں اور انتخاب لڑنے والے جوا بازوں میں البتہ ایک فرق تو یہ ہوتا ہے کہ تھڑے پر کھیلنے والے معمولی سرمایہ لگاتے ہیں جب کہ انتخاب لڑنے والے لاکھوں کی سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تھڑے پر جوا کھیلنے والوں کو پولیس آ پکڑتی ہے جب کہ انتخابی قمار بازوں کو خود حکومتِ وقت ہر سہولت میسر کرتی ہے تاکہ وہ جی بھر کر کھیلیں۔ پھر تھڑے پر چھوٹے پیمانے پر قمار بازی کرنے والوں کے خلاف علماء کرام فتویٰ صادر کرتے ہیں جب کہ انتخابی قمار بازی علماء کرام خود کھیلتے ہیں۔ بنیاد ہی غلط فراہم کرنے والا آئین مزید کیا گل کھلاتا ہے، آگے بڑھیں۔

عورت کی سربراہی

اسلام کے معاشرتی و سیاسی نظام میں چھوٹے سے چھوٹا انتظامی یونٹ ''گھر'' ہے۔ یہ یونٹ چھوٹا تو ہے لیکن اس قدر بنیادی کہ کوئی بھی معاشرہ تمدن بالآخر گھروں کے مجموعے سے بنتا ہے جیسی اینٹ ویسی دیوار کے مصداق جیسا یہ بنیادی یونٹ ہوگا ویسا ہی معاشرہ معرضِ وجود میں آئے گا۔ اسلام نے بنا بریں اس یونٹ کی ہیت و کارکردگی کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ خود قرآنِ مجید میں جتنی ہدایات گھریلو زندگی کے متعلق ہیں

کسی اور یونٹ کے متعلق نہیں۔ پتے کی بات جو یہاں کی جانی مطلوب ہے' یہ ہے کہ اسلام اس چھوٹے سے چھوٹے یونٹ کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں نہیں' نہ صرف مرد کے ہاتھ تھماتا ہے بلکہ اس تھمانے کی مصلحت بھی بیان کرتا ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا۔

''مرد عورتوں پر قوام ہیں' اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں.....'' (نساء:34)

ظاہر ہے جب اسلام چھوٹے سے چھوٹے انتظامی یونٹ کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ نہیں تھماتا تو وہ پورے ملک کی قیادت کو صفِ نازک کے سپرد کرنے کا کیسے روادار ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا حکم تو سپریم ہے' خود ساختہ آئین کے مصنفین اگر سوچتے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی جب اپنے گھر کی قیادت اپنی بیوی کے سپرد کرنے پر آمادہ نہیں تو پورے ملک کی سربراہی اس کے ہاتھ دینے کی حماقت کیوں؟

آئین کے مصنفین تو ظاہر ہے اپنی خواہشات اور رسم زمانہ کی پیروی کر رہے تھے' حسرت تو ان علماء کرام اور دینی سیاسی جماعتوں پر ہے جو فریب میں آ کر رسول ﷺ کے اس ارشادِ مبارک کو بھی گول کر گئیں کہ وہ قوم تباہ ہو گئی جس نے اپنی باگ ڈور عورت کے ہاتھ تھما دی۔ اس ایک غیر اسلامی قدم یعنی عورت کی سربراہی کی گنجائش پیدا کرنے سے خود ساختہ آئین کے وہ حصے جو سربراہِ مملکت The President اور وفاقی حکومت (The FederalGovt.) پر مشتمل ہیں سب غیر اسلامی قرار پاتے ہیں۔

دو سربراہان

اسلامی حکومت میں سربراہ کی حیثیت' مشروط سہی' مطاع کی ہوتی ہے۔ سربراہِ وقت کی اطاعت اسی طرح لازم کہ جس طرح اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت۔ مطاع کو اگر دو یا زیادہ عہدوں میں تقسیم کر دیا جائے تو ایسے عہدے دار اسی طرح باہم متصادم ہو جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اگر دو الٰہ ہوتے تو کائنات کا نظام کبھی نہ چل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اوپر دی گئی سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۴ میں مرد کو قوام بناتے

وقت ایک وجہ یہ دی گئی ہے کہ کسی بھی انتظامی یونٹ میں ایک کو افضل (سربراہ) بنانا بہرحال لازمی ہے۔ خود ساختہ آئین میں دو سربراہوں .....ایک سربراہ مملکت (صدر) اور دوسرا سربراہ حکومت (وزیراعظم) کی پرویژن اس قدر غیر اسلامی ہے کہ اس نے پورے آئین کو اسلام کے خلاف کھڑا کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں آئے دن صدر اور وزیراعظم کی باہمی چپقلش نے تو تجربے سے بھی ثابت کر دیا ہے کہ مطاع کو منقسم نہیں ہونا چاہئے۔ یاد رہے دورِ خلافتِ راشدہ کا اختتام ہوا ہی تو اس وقت جب ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کی بیعت ہونے لگی۔ خلافتِ وقت کا دو سربراہوں میں بٹ جانا اسلامی تاریخ کا وہ عظیم حادثہ ہے کہ جس سے اتری ہوئی گاڑی آج تک پٹڑی پر نہیں چڑھ پائی۔ کس قدر پتے کی بات بتا دی ہوئی ہے ہادی برحق نے، فرمایا۔

''جب دو خلیفہ سے بیعت کی جاوے تو جس سے آخر میں بیعت ہوئی ہو اس کو مار ڈالو'' (اس لئے کہ اس کی خلافت پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے باطل ہے)۔ (مسلم)

یوں خود ساختہ آئین کا وہ تمام حصہ جو صدر، وزیراعظم بلکہ پروونشیل گورنمنٹس، گورنروں، صوبوں اور فیڈریشن کے باہمی تعلقات وغیرہ پر پھیلا ہوا ہے تمام غیر اسلامی قرار پاتا ہے۔

مجلس شوریٰ (The Parliment)

رسمِ زمانہ نے آئین کے مصنفوں کو مجلس شوریٰ کے ساتھ بریکٹ میں (The Parliment) لکھنے پر مجبور کیا ورنہ اسلامی شوریٰ کو پارلیمنٹ سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ مشرق کو مغرب سے۔ دونوں کے فرائض منصبی ہی میں ۱۸۰ درجے کا فرق ہے۔ مروجہ پارلیمنٹ ایک قانون ساز ادارہ ہے جس میں بندوں کی کی ہوئی قانون سازی (جو محض ارکانِ

پارلیمنٹ کی خواہشات پر مبنی ہوتی ہے) کے مطابق کاروبار حکومت اور کاروبار زندگی چلتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی شوریٰ خلیفہ وقت جس کا حصہ ہوتا ہے، کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ وہ قانون سازی نہیں کر سکتے، قانون سازی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے ان الحکم الا للہ۔ شوریٰ کا اصل، بلکہ اگر واحد فرض منصبی کہا جائے تو مضائقہ نہیں، ہر اس معاملہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کر کے خلیفہ وقت کو مشورہ دینا ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں خلیفۃ المسلمین کو براہ راست قرآن وسنت سے ہدایات نہ ملیں۔ اجتہاد کی اس پرویژن سے ہی قرآن وسنت وہ درجہ اختیار کرتے ہیں کہ جسے قرآن ہی میں الیوم اکملت لکم دینکم کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ سینکڑوں ایسے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے تعلق براہ راست قرآن وسنت سے ہدایات نہیں ملتیں۔ مثال کے طور پر آج کے دور میں یہ سوال کہ بینکوں میں مروجہ مارک اپ، سود کی شکل ہے کہ نہیں۔ اسی طرح ملکی سطح پر کتنے صوبے، گورنر وغیرہ ہوں۔ ایسے فیصلے مرکزی سطح پر شوریٰ ہی نے تو کرنے ہوتے ہیں ہمارے ہاں جو مختلف مکاتب فکر کے تحت فقہ سازی ہوتی رہی ہے یا آج مفتیوں کی سطح پر ہو رہی ہے یہ امر مجبوری ہو رہی ہے اس لئے کہ شوریٰ کا وجود نہیں تھا، نہ ہے۔

ہمارے ہاں آج کل یہ جو بحث چل نکلی ہے کہ مقامی حکومت اور وفاقی وصوبائی ارکان اسمبلی کی ذمہ داریوں کی تقسیم کیسے ہو اسی لئے ہے کہ رسمِ زمانہ کے مطابق ہم بھی یہ سمجھ بیٹھے کہ ارکان اسمبلی کی ذمہ داری اپنے حلقہ میں ترقیاتی کاموں کی تکمیل اور اپنے حلقہ کے عوام کو تھانہ وکچہری کے مسائل سے چھٹکارا دلانا ہے۔ ارکانِ شوریٰ ظاہر ہے عوام کی خدمت تو کرتے ہیں لیکن اس نظام کو اسلامی رکھ کر جس میں لوگوں نے زندگیاں گزارنی ہیں۔ ہاں وہ ترقیاتی کاموں کے فیصلے بھی کرتے ہیں لیکن ایسے ترقیاتی کاموں کے کہ جو ملکی سطح یا بین الاقوامی سطح کے ہوں اور وہ بھی شوریٰ کے ذریعہ سے خلیفہ وقت کو مشورہ دے کر۔

ایسی شوریٰ کا چونکہ وجود تک خود ساختہ آئین میں

نہیں لہذا ۱۹۷۳ء کے آئین کے ذریعہ سے تا قیامت اس ملک میں اسلامی نظام نہیں آ سکتا۔ کس قدر قابل افسوس ہے کہ ایسے خود ساختہ کتابچے کو ان دینی وسیاسی جماعتوں نے آئین تسلیم کرلیا اور آج تک اسی کی بحالی کے درپے ہیں کہ جو اس ملک میں اسلامی نظام لانے کی داعی ہیں۔ مرنے سے پہلے پہلے کفارہ آج بھی ادا ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی رٹ لگانے کی بجائے قرآن وسنت کو ہی اس ملک کا آئین بنانے کے درپے ہوجائیں۔

دو ایوان

خود ساختہ آئین کا وافر حصہ دو ایوانوں یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ کے لئے مختص ہے حالانکہ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں اس لئے کہ جس کیفیت وصورتحال کے لئے سیکولر دنیا میں یہ دو ایوانی پارلیمنٹ بنائی جاتی ہے وہ اسلام میں پیدا ہی نہیں ہوتی۔ رسم زمانہ کی نقالی میں ہمارے ہاں بھی قومی اسمبلی کا وجود تو مختلف صوبوں کی آبادی کے متناسب ارکان پر مشتمل ہے۔ جب کہ سینٹ میں تمام چھوٹے بڑے صوبوں سے لئے گئے ارکان کی تعداد برابر ہے۔ ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ ارکان قومی اسمبلی کسی بڑے صوبے سے تعلق رکھتے ہوئے اپنی اکثریت کی بناء پر کسی دوسرے صوبے کو نفع یا نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اسلام میں فیصلے نہ کہ قانون سازی) جب کرنے ہی قرآن وسنت کے مطابق ہیں تو علاقے' زبان یا کسی اور بنیاد پر کسی کے نفع یا نقصان پہنچانے کا امکان ہی کہاں کہ دو ایوانوں کی ضرورت پڑے۔ اسلام میں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ خلیفہ وقت ارکان شوریٰ کی اکثریت کی رائے پر عمل کرے۔ اگر خلیفۃ المسلمین کو تمام ارکان شوریٰ کے مقابلہ میں صرف ایک رکن شوریٰ کی رائے قرآن وسنت کو ہے نہ کہ اکثریت کی رائے کو۔ مانعین زکوۃ کے بارے میں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوری شوریٰ کی رائے کو ٹھکرا دیا۔ وقت نے ثابت کیا کہ ان کا فیصلہ ہی قرآن وسنت سے قریب تر تھا۔ خود ساختہ آئین میں دی گئی دو ایوانی مقننہ اسلام کے خلاف تو ہے ہی' قومی خزانے پر ناروا بوجھ کی موجب بھی ہے۔ آئین میں دو ایوانی مقننہ کے لئے مختص حصہ تمام کا تمام اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

> اگر خلیفۃ المسلمین کو تمام ارکان شوریٰ کے مقابلہ میں صرف ایک رکن شوریٰ کی رائے قرآن وسنت کے قریب تر محسوس ہو تو وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ یہ تو محض ایک رکن کی رائے ہے۔ ترجیح قرآن وسنت کو ہے نہ کہ اکثریت کی رائے کو۔

اسلامی نظریاتی کونسل

۱۹۷۳ء کے آئین میں مجلس شوریٰ کے علاوہ اسلامی نظریاتی کونسل کا وجود تو اسلام کے ساتھ ایک سنگین مذاق ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اور جیسا کہ شوریٰ کے نام ہی سے عیاں ہے' شوریٰ کا اصل کام اجتہاد کرتے ہوئے خلیفہ کو مشورہ دینا ہے۔ اجتہاد' ظاہر ہے وہ کرسکتا ہے جس کا نہ صرف قرآن وسنت پر کلی عبور ہو بلکہ وہ عالمی امور سے بھی پوری طرح آگاہ ہو۔ اسی لئے تو عوامی نمائندوں کیلئے قرآنی معیار اہلیت میں ایک شرط ''علم'' کی ہے۔ کس قدر غیر اسلامی ہے ۱۹۷۳ء کا آئین کہ ان پڑھ تک کو رکن شوریٰ ہونے کی اجازت دیتا ہے (بی اے ہونے کی شرط بھی اب لگی ہے جو ظاہر ہے ناکافی ہے) یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی کالج میں لیکچرر تو ان پڑھ کو تعینات کر دیا جائے اور پھر اس کمی کو پورا کرنے کیلئے اہل افراد کی ایک علیحدہ ٹیم بنا کر خواہ مخواہ کالج کے بجٹ پر بوجھ ڈالا جائے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی ۱۸۰ درجے مخالفت نہیں جس میں کہا گیا کہ امانتیں (عہدے) اہل افراد کے سپرد کرو۔''

وفاقی شرعی عدالت

شرعی عدالت کی ۱۹۷۳ء کے آئین میں پرویژن سے تو سو فیصد عیاں ہے کہ اس آئین کو بنایا ہی گیا اسلام کا مذاق اڑانے کیلئے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت شرعی ہے تو کیا پاکستان میں کوئی غیر شرعی عدالت بھی مطلوب ہے؟ عدالت اور غیر شرعی' چہ بوالعجبی؟ انسان جب قانون سازی کرے گا تو ایسی قانون سازی کا تضادات کا مجموعہ ہونا لازمی ہے۔

غیر مسلم ارکانِ شوریٰ

۱۹۷۳ء کے آئین کیمطابق کوئی بھی غیر مسلم رکنِ شوریٰ رکنِ کابینہ اور رکنِ عدلیہ ہو

سکتا ہے' صرف صدر اور وزیراعظم کے لئے مسلمان ہونا لازمی ہے۔ ایسا بھی رسم زمانہ کی نقالی اور انسانی خواہشات کی پیروی میں کیا گیا ہے۔ اسلامی احکامات کے مطابق ہر وہ مسلمان اولوالامر کا حصہ ہے جو کسی ایسی اسامی پر تعینات ہو کہ جہاں پالیسی امور طے ہوتے ہوں یا سماجی طور پر وہ ایک فائز مقام ہو۔ شوریٰ' عدلیہ' کابینہ کے اولوالامر ہونے میں کوئی کلام ہے ہی نہیں۔ رب کائنات تو مومنوں سے یوں مخاطب ہوتا ہے کہ اولوالامر منکم ...... یعنی اولوالامر مسلمانوں میں سے ہونے چاہئے۔ بالخصوص ارکان شوریٰ کیلئے تو جیسا اوپر بیان ہوا مجتہد ہونا لازمی ہے۔ بتایا جائے کہ درج ذیل حکم کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا نہیں؟

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں' پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ ورسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر واقعی تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی صحیح ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر''۔ (نساء: 59)

ایک طرف اللہ تعالیٰ کا غیر مسلموں کو اولوالامر میں شامل نہ کرنے کا حکم، دوسری طرف اپنی خواہشات کی پیروی میں ۷۳ء کے آئین میں غیر مسلموں کو اولوالامر میں شامل کرنے کا قانون، بتائیے طاغوت اور کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی قصور نہیں تھا نامراد فرعون کا؟ کس قدر ڈھٹائی؟ ڈوب مرنے کا مقام ہے ان حضرات کیلئے جنہوں نے طاغوتی دستاویز پر آج سے کوئی تیس سال پہلے مہر تصدیق ثبت کی اور آج تک اس عظیم حادثاتی غلطی کو دہرائے جا رہے ہیں۔

طریق قانون سازی

قانون سازی اور بندوں سے، ان الحکم الا للّٰہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی تو ہے

> **ایک طرف اللہ تعالیٰ کا غیر مسلموں کو اولوالامر میں شامل نہ کرنے کا حکم' دوسری طرف اپنی خواہشات کی پیروی میں 73ء کے آئین میں غیر مسلموں کو اولوالامر میں شامل کرنے کا قانون' بتائیے طاغوت اور کیا ہوتا ہے؟**

ہی، بیچارے رحمت کا قلم کانپ رہا ہے اس طریق کار کو لکھتے ہوئے جس طریقے سے ۷۳ء کا آئین قانون سازی کرواتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

قانون سازی یا متبادل قانون سازی کی تحریک خواہ عدالت کی طرف سے ہو' اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے یا کسی رکن شوریٰ کی طرف سے' دو صورتوں سے دوچار ہوتی ہے۔ پہلی صورت تو یہ کہ حکومت وقت ایسی ترمیم یا قانون سازی کو دل سے قبول نہیں کرتی۔ ایسا ہو تو حیلے بہانے بیل کبھی منڈھے نہیں چڑھتی اس لئے کہ حکومت وقت کے پاس ٹالنے کے ان گنت طریقے ہوتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے وہ ثالثی ہی چلی جاتی ہے۔ اگر پارلیمنٹ میں ہی معاملہ آجائے تو چونکہ پارلیمنٹ میں حکومت وقت کی اکثریت ہوتی ہے لہذا معاملہ وہی بن جاتا ہے کہ کب گوندھا جائے' کب پکایا جائے اور کب کھانے کی نوبت آئے؟

اللہ تعالیٰ کل کو میدان حشر میں پوچھے گا کہ خود ایک دفعہ یا شق کو غیر شرعی قرار دینے کے بعد تم اس کے ساتھ کیوں چمٹے رہے؟ ظاہر ہے' جواب یہی ہوگا کہ ہمارے ہاتھ اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے بندھے تھے۔ بتائیے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عذر کیا قابل قبول ہوگا؟ اللہ تو یہی کہے گا کہ تم کو کس حکیم نے کہا تھا کہ ہاتھ باندھنے والا کتابچہ خود تیار کر کے اسے آئین مملکت قرار دے دو۔ میرے عطا کردہ ازلی وابدی آئین کو مہجور و مفلوج کر کے یہ خود ساختہ آئین بنانے کی تم نے جسارت وحماقت کی ہی تو کیوں؟ یہی تو وہ موقع ہوگا جب اپنی امت کی کبھی شکایت نہ کرنے والے نبی ﷺ پکار اٹھیں گے تو یوں۔

''اے اللہ! میری قوم نے اس قرآن کو مہجور کیے رکھا'' (فرقان: 30)

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرض کیجئے کہ حکومت وقت کو پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل ہے اور وہ اس قابل ہے کہ مطلوبہ ترمیم کر سکے۔ آیئے دیکھئے کہ ''زلف کو سر ہونے تک'' مزید کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟

۱۔ فرض کیجئے کہ تحریک سود کے متعلق متبادل قانون سازی کے لئے ہے۔ ۷۳ء کے

آئین میں دیئے گئے طریق کے مطابق ایوان میں تحریک بطور بل پیش ہوگی۔ بل میں ظاہر ہے موقف اختیار کیا جائے گا کہ موجودہ قانون فلاں فلاں وجوہات کی بناء پر غیر اسلامی ہے اسے قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے۔ سب سے پہلے ایسا کرنا ہی قابل گرفت ہے اس لئے کہ ممانعتِ سود ایسا ضابطہ ہے کہ جس کا تقریباً چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی ﷺ پر نازل کیا جانا اس کے قانون ہونے کی دلیل ہے اور نازل ہونے کے لمحہ سے تا قیامت اسے بطور قانون تسلیم کرنے میں تھوڑی سی پس وپیش بھی ایسا کفر ہے کہ جس کا علاج عمرؓ کی تلوار جیسا ہی ہے۔ ایسا بل آئین میں دیئے گئے طریقہ کے مطابق' صرف منتخب رکن ہی ایوان میں پیش کرسکتا ہے ورنہ (معاذ اللہ) اللہ کے حکم کی یہ حیثیت کہاں کہ وہ ممبر کی اجازت کے بغیر ایوان میں گھسا چلا آئے۔

۲۔ سود کی حرمت کو قانون کی حیثیت دلانے کے لئے جب یہ بل ایوان میں پیش ہوگا۔ تو ایوان میں بحث کے قابل تبھی گردانا جائے گا اگر یہ بل ایوان کے طریقہ کار کے مطابق اور خود ساختہ آئین کے خلاف نہ ہوگا۔ بصورت دیگر اللہ کا حکم بل کے درجہ کو بھی نہیں پہنچ پائے گا۔ بالفاظِ دیگر اللہ ورسول ﷺ نے ایوان کے طریقہ کار کے مطابق نہ ہونے کی اگر جرات کرلی تو ان کی بات سننے کے ناقابل اور خلافت ضابطہ قرار دے دی جائے گی۔

۳۔ فرض کیجئے کہ قرآن وسنت کی قسمت اچھی نکلی اور بل کو ضابطہ ہائے ایوان کے مطابق قرار دیتے ہوئے اسے بحث کے لئے منظور کرلیا گیا۔ اب بحث کے دوران ویسے تو شریعت کو مسلمان ممبران کی بھی بھانت بھانت کی بولیاں سننا پڑیں گی لیکن شریعت کیلئے مشکل تر مرحلہ وہ ہوگا جب ایک عیسائی ممبر بھی اظہار خیال کرے گا' ایک ہندو بھی لاف زنی کرے گا اور دیگر اقلیتوں کا

ایسا بل آئین میں دیئے گئے طریقہ کے مطابق صرف منتخب رکن ہی ایوان میں پیش کرسکتا ہے ورنہ (معاذ اللہ) اللہ کے حکم کی یہ حیثیت کہاں کہ وہ ممبر کی اجازت کے بغیر ایوان میں گھسا چلا آئے۔

نمائندہ بھی ''دلائل'' دے گا۔ یہ بحث ارکان کی نوک جھونک' پھبتیوں' چٹکلوں اور بیت بازی کے ساتھ ایک مدت جاری رہے گی۔ کاش کوئی جانتا خوض فی الایات کے متعلق رب کائنات کی طرف سے کتنا بھیانک اختتام ہے' فرمایا۔

''اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے' وہاں نہ بیٹھو جب تک لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ اب اگر تم وہیں بیٹھے رہتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو۔ یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے''۔ (ء:140)

۴۔ ''معزز ارکان'' اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں اپنی ناقص آراء سے فارغ ہونگے تو ایوان میں رائے شماری کا مرحلہ آئے گا۔ شریعت کیلئے یہ مرحلہ بھی بہت صبر آزما ہوگا۔ اس لئے کہ اکثریت کی نظر میں شریعت اگر معیار پر نہ اتری تو اسے سر نیچا کر کے ایوان سے نکلنا ہوگا اور مسجد میں ہی گزر اوقات کرنا ہوگی۔

۵۔ فرض کیجئے کہ شریعت کی آبرو رہ گئی اور ایوان نے بل پاس کردیا۔ یہ بل بہر حال اس وقت تک بل ہی رہے گا جب تک کہ دوسرا ایوان بھی اسے پاس نہ کردے۔ اب تک کی خواری سے شریعت ابھی جزوی طور پر کامیاب ہوسکی۔ دوسرا ایوان بھی اتنا ہی مقدس ہے اور وہ بھی شریعت کو اسی طرح کھنگالے گا جس طرح کہ پہلے ایوان نے کھنگالا۔ دوسرا ایوان چاہے تو بل کو صاف مسترد کردے اور چاہے تو نظر ثانی کیلئے پہلے ایوان کو ریفر کرے۔ ہر دو صورتوں میں اگر پہلا ایوان کوئی کارروائی نہ کرے تو یہ بل خود ہی اپنی موت آپ مرجائے گا۔ لہٰذا شریعت کا کام نہ بن سکے گا۔ (نعوذ باللہ من ذلک) اگر شریعت کے بارے میں پہلے ایوان کا گوشہ قدرے نرم ہوا تو ایوان بل کی فائل کو پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس بلانے کی غرض سے صدر کو بھیج سکتا ہے۔ مشترکہ اجلاس میں خوض فی الایات کا پھر بھرپور مظاہرہ ہوگا۔ یہ شریعت کی بہر حال آخری سعی ہوگی۔ جس کے بعد بات نہ بننے کی صورت میں فائل ہمیشہ کے لئے داخل دفتر کردی جائے گی۔ اللہ ورسول ﷺ سے جنگ ہوتی ہے تو ہوا کرے'

پارلیمنٹ کی بلا کو۔

۶۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خود ساختہ آئین کی دفعات ۷۰ اور ۷۱ کی رو سے بل پیش ہونے کے بعد پہلے یا دوسرے ایوان میں یا دونوں کے مشترکہ اجلاس میں کہیں بھی اس بل میں ترمیم کردی جائے اور یوں ایوان کی دیوی شریعت پر مہربانی کرکے اسے پاس کردے۔ اب ایوانوں نے تو بل پاس کردیا لیکن اس کے لئے تو بڑی سرکار یعنی صدر مملکت کی منظوری بھی لازمی ہے۔ لہٰذا اب شریعت کو آخری قبولیت کیلئے ایوانِ صدر کی طرف پرواز کرنا ہوگا۔

بتایئے' اس پورے طریقہ کار میں حصہ لینے والوں کے ایمان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ اس میں رتی بھر شک نہیں کہ ان مراحل سے شریعت کو گزارنے کی تو کیا بات اگر کوئی ان مراحل کو تسلیم ہی کرلے تو قرآن وسنت کی رو سے اس کا سرتن پر نہیں رہنا چاہئے۔ دورِ نبوت میں ایسی ہی حرکت وجسارت کرنیوالے ایک مسلمان کا سرتن سے علیحدہ کردیا گیا تو مخالفین اسلام نے بہت شور مچایا۔ جواباً عرشِ عظیم خود حرکت میں آگیا۔ قرآن مجید میں شاید ایک ہی جگہ پر رب کائنات نے نبی کائنات کو مخاطب کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کئے کہ ''تیرے رب کی قسم''۔

ملاحظہ ہو قرآن

''اے محمد ﷺ! تیرے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں' پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں'' (نساء:65)

مندرجہ بالا طریق قانون سازی سے بھی عیاں' مزید ۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۲۶۸ کے تحت ملک پاکستان میں کوئی ضابطہ (خواہ وہ قرآن وسنت ہی کا کیوں نہ ہو) اس وقت تک قانونی حیثیت اختیار نہیں کرسکتا جب تک کہ اسے پارلیمنٹ پاس نہ کردے۔ اسی لئے تو عدلیہ کو بھی اس غرض کیلئے پارلیمنٹ کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے۔ شومیٔ قسمت اللہ ورسول ﷺ کے احکامات اور محتاج ہوں بندوں کی منظوری کے' ایسی پارلیمنٹ کے طاغوت ہونے میں کیا شک؟

پس چہ باید کرد

وہی کیا جائے جو دورِ خلافتِ راشدہ میں کیا گیا۔ ازلی وابدی آئین..... قرآن وسنت کو ہی آئین مملکت قرار دیا جائے۔ خلافت راشدہ کی طرح کا دوراز خود لوٹ آئے گا۔ نقالی میں اہل پاکستان دور نکل گئے۔ ورنہ غیر مسلم دنیا کو تو اس لئے خود ساختہ آئین بنانا پڑا کہ ان کے پاس کوئی ازلی وابدی آئین ہے ہی نہیں۔ ید بیضا بغل میں ہوتے ہم ایسا کریں تو کیوں؟ کچھ لوگوں کی یہ غلط فہمی کہ قرآن وسنت کو کیسے آئین بنایا جاسکتا ہے؟ اس میں تو مثال کے طور پر محکمہ ڈاک وتار' وزراء' گورنروں کی تعداد وغیرہ کے متعلق تفصیلات نہیں ہیں۔ بھول گئے یہ نادان کہ ایسی تفصیلات (Working Details) تو ۷۳ء کے آئین میں بھی نہیں ہیں۔ آئین تو اصولی وبنیادی دستاویز' تفصیلات ہی کا طے کرنا تو شوریٰ کا فرض منصبی ہے۔ ایسی تمام تفصیلات ودستاویزات کی حیثیت البتہ اصولی وبنیادی نہیں ذیلی ہوتی ہے۔ دورِ خلافت راشدہ میں بھی ایسی ذیلی دستاویزات تیار کرنا پڑیں۔ ازلی وابدی آئین ناقابل ترمیم' اٹل' مزید قانون سازی سے ماوراء لیکن ذیلی دستاویزات میں تو وقت کے ساتھ ساتھ ہر وقت ترمیم واصلاح کی گنجائش ہے۔ ۷۳ء کے آئین کو بھی کسی علماء پر مشتمل کمیٹی سے کلمہ پڑھوا کر ذیلی دستاویزات میں سے ایک کا درجہ دیا جاسکتا ہے' دیا جائے۔

آخر میں یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ قرآن وسنت اگر اول دن سے آئین پاکستان قرار دیا جاتا تو ملک عزیز اپنے ابتدائی دور میں سالہا سال بے آئین نہ رہتا۔ کسی قرارداد مقاصد کی ضرورت نہ پڑتی۔ ہاتھوں سے لکھے آئین کی بار بار تدوین نہ کرنا پڑتی۔ قرآن وسنت پر مشتمل آئین کو کوئی طالع آزما مفلوج ومعطل کرنے کی حماقت کرتا تو خود تکہ بوٹی ہوجاتا۔ اس ملک میں مارشل لاء نہ لگتا۔ ملک عزیز دولخت نہ ہوتا۔ سب سے بڑھ کر خلافت راشدہ کی طرح کا دور رواں دواں ہوتا۔ عوام پاکستان کو وہ فیوض حاصل ہوتے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو حاصل تھے۔ دینی سیاسی جماعتوں کی توانائیاں اسلامی نظام کے نفاذ کی بجائے اس کی توسیع واستحکام کیلئے وقف ہوتیں۔ نتیجہ کے طور پر آج

Victimof the sysytem

ہونے کی بجائے دنیا کی امامت وخلافت ارضی کی طرف گامزن ہوتے۔

بشکریہ۔ ماہنامہ ''سبق پھر پڑھ'' لاہور

☆☆☆☆☆

اے اللہ!

ہمیں جذبہ جہاد اور

جذبہ شہادت عطا فرما

U.K. گارمنٹس (انٹرنیشنل)

ایکسپورٹرز اینڈ مینوفیکچررز
آف ہوزری گارمنٹس

گارمنٹس اور بہترین ہوزری مصنوعات
یورپ اور امریکہ کو ایکسپورٹ کی جاتی ہیں

برائے رابطہ:- پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون نمبر:-665971

صقارہ اکیڈمی منارہ، ضلع چکوال

داخلہ جماعت ہشتم سیشن 2003ء

تحریری امتحان وانٹرویو 27 مارچ بروز جمعرات

بوقت 10 بجے صبح

صقارہ اکیڈمی کی چند خصوصیات

- ☆ راولپنڈی بورڈ سے منظور شدہ والحاق شدہ۔
- ☆ مروجہ نصاب کے علاوہ دینی تعلیم سے آراستہ تعلیم وتربیت۔
- ☆ قومی ایوارڈ یافتہ قاری کے زیر نگرانی تجوید وناظرہ قرآن کریم کا بندوبست
- ☆ پچھلے چودہ سال سے راولپنڈی بورڈ میں متواتر سو فیصد نتائج کا حامل منفرد ادارہ۔
- ☆ بورڈ کی پہلی تین پوزیشنوں میں مسلسل پوزیشن لینے کا اعزاز۔
- ☆ اعلیٰ تعلیمی معیار کے اعتراف میں ''نیشنل ایوارڈ'' کا اعزاز۔
- ☆ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اساتذہ
- ☆ روحانی اور جسمانی تربیت کا خصوصی انتظام۔
- ☆ فوجی خطوط پر استوار نظم وضبط۔
- ☆ مارشل آرٹس اور کھیلوں کی لازمی تعلیم۔
- ☆ کمپیوٹر ٹریننگ کی سہولت۔
- ☆ ہاسٹل کی سہولت۔

نوٹ

رات کے قیام کیلئے 5 ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت کے مطابق بستر ہمراہ ہو۔

2۔ ''المرشد'' کے قارئین سے گزارش ہے کہ اس اشتہار کو فوٹو سٹیٹ کر کے زیادہ سے زیادہ مشتہر کریں۔

من الظلمت الی النور

اللہ دتہ اویسی

گو کہ میرے خاندان کے بزرگ تعلیم یافتہ نہ تھے مگر پیروں فقیروں کے بارے میں کافی حد تک نرم گوشہ رکھتے تھے اور اس کا اظہار وہ اپنے مخصوص انداز میں گاہے بگاہے کرتے رہتے تھے۔ ہمارے خاندانی پیر جو کہ ضلع لیہ میں مقیم تھے' زندگی میں صرف ایک دفعہ ہمارے گاؤں آئے۔ قرب وجوار کے عرس میلوں میں بڑے اہتمام سے حاضری ہوتی تھی۔ اس طرح پیروں فقیروں سے لگاؤ بچپن ہی سے میرے دل میں در آیا تھا۔ میرے والد مرحوم جن کا آرائیں خاندان سے تعلق تھا' ہندوستان کے ضلع پٹیالہ سے ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے ضلع منڈی بہاؤ الدین کے گاؤں پاہڑیانوالی میں مستقل آباد ہوئے۔

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میری رگوں میں ایک ایسے غیرت مند زمیندار کا خون ہے جس نے پاکستان کی خاطر اپنے والد کی ساڑھے بارہ ایکڑ اراضی بمعہ لہلہاتی فصلیں' ہنستا بستا گھر بار' مال ومتاع قربان کیا اور ان گنت مصائب جھیلتے ہوئے پاکستان میں داخل ہوئے کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ پاکستان میں اسلام کی حکمرانی ہوگی۔ لیکن اُن کا خواب کبھی حقیقت نہ بن سکا اور وہ ۳۰ نومبر ۱۹۹۹ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۱۹۷۲ء میں میٹرک کیا تو دونوں بڑے بھائیوں کو زمین داری میں مصروف پایا۔ طبیعت فوجی نوکری کی طرف مائل تھی لہذا رزلٹ آتے ہی فوج جوائن کر لی۔ پیروں فقیروں سے محبت چونکہ ورثے میں ملی تھی لہذا ایک ذہن بن گیا تھا کہ کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت ضرور کرنی چاہئے اور اس طرح نوکری کے ساتھ ساتھ اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے کوشاں رہا۔ ۱۹۷۳ء سے لیکر ۱۹۸۵ء تک کافی بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا اور پھر کئی ایک سے بیعت بھی کی لیکن بیعت کو بوجوہ نباہ نہ سکا صرف چند واقعات زیر قلم کروں گا کہ یہ عجیب وغریب ہونے کے ساتھ عوام الناس کیلئے لمحہ فکریہ اور سبق آموز بھی ہیں۔

(ا) میرے گاؤں کا غلام احمد لوہار (جو کہ ہمارا ہمپی تھا) اپنے پیر ومرشد کے اکثر اوقات گیت گایا کرتا لہذا پیر صاحب سے ملنے کا اشتیاق ہوا اور یوں غلام احمد کے ہمراہ پیر صاحب کی زیارت سے شرف یابی ہوئی۔ پیر صاحب ایک بڑی گدی کے متنازعہ سجادہ نشین تھے۔ بڑی ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مزار سے ملحقہ مسجد کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ سونے کی بڑی سی خوبصورت انگوٹھی انگلیوں میں نمایاں تھی۔ سامنے نوٹوں کا ڈھیر تھا۔ ڈھول کی تھاپ پر اکثر وجد میں آتے۔ نماز ظہر کے وقت مسجد پیر صاحب اور مریدین کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی لیکن پیر صاحب اپنے حال میں مست تھے۔ قدم بوسی کا طریقہ بڑا مشکل تھا وہ اس طرح کہ عقیدت مند کچھ فاصلے سے ڈھول کی تھاپ پر Crawling کرتے ہوئے (یعنی رینگتے ہوئے) پیر صاحب کے پاؤں اور زانوں کو بوسہ دیتے تھے اور مخصوص قسم کا ''تھاپڑا'' وصول کرتے۔ کیونکہ میں Crawling میں کمزور تھا لہذا پیر صاحب کی قدم بوسی نہ کر سکا اور گھر کی راہ لی۔

(ب) ایک فوجی ساتھی کی وساطت سے اُن کے پیر صاحب سے ملاقات ہوئی اور پہلی ہی ملاقات میں بیعت ہو گیا۔ پیر صاحب عمر رسیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ چہرہ سنت کے مطابق تھا۔ سال بھر ان کے ساتھ ذکر واذکار کرتا رہا۔ ایک دن پیر صاحب کی امامت میں ایک عجیب وغریب نماز پڑھی۔ پیر صاحب امام تھے اور میں اکیلا مقتدی نماز عصر کا وقت قریب تھا پیر صاحب نے اپنا منہ

خانہ کعبہ یعنی مغرب سے موڑ کر شمال مغرب کی سمت کر لیا اور مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ تکبیر تحریمہ کہہ کر دو نوافل ادا کئے گئے۔ عرض کرنے پر پتہ چلا کہ ہمارا منہ نماز کی حالت میں خانہ کعبہ کی بجائے کسی اور طرف تھا۔ فراغت کے بعد شمال مغرب کی سمت گیارہ قدم چلنے کا حکم ہوا۔ پیر صاحب کی معیت میں گیارہ قدم چلے اور ہر قدم پر چند مخصوص الفاظ پڑھے جو خلاف شریعت تھے۔ نماز کے بعد یہی الفاظ ہماری دُعا تھی جو کہ آمین کہنے کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ لیکن یہ عجیب نماز ہمیشہ کیلئے پیر صاحب سے جُدائی کا سبب بن گئی۔

(ج) منگلا چھاؤنی میں سروس کے دوران' جنگل میں مقیم ایک پیر سائیں سے ملاقات ہوئی۔ پیر سائیں ابھی تک کنوارے تھے اور غالباً کنوارے ہی رہنے کا ارادہ تھا۔ ہاتھ کی بجائے آنکھ سے بیعت کرتے تھے۔ لہذا پیر سائیں نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے بھی مرید بنا لیا۔ جمعرات کی رات اکثر پیر سائیں کے ساتھ گزرتی اکثر و بیشتر ہدایات کرتے کہ دیوبندی امام کے پیچھے نماز مت پڑھا کرو اگر کبھی ایسا کرنا پڑ جائے تو اپنی نماز کا اعادہ کر لیا کرو۔ مزار سے ملحقہ مسجد تھی لیکن پیر صاحب مسجد جانے کی بجائے نزدیکی پہاڑی پر چڑھ جاتے۔ واپسی پر اکثر کہا کرتے کہ آج انہوں نے بڑے بڑے ولی اللہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ اکثر بزرگوں کا نام بھی بتایا کرتے تھے۔ پیر سائیں کی صحبت تقریباً ڈیڑھ سال میسر رہی۔ اپنی استطاعت کے تحت بڑھ چڑھ کر نذرانے بھی پیش کرتا رہا۔ چونکہ نذرانوں کی فرمائش میں دن بدن اضافہ ہو

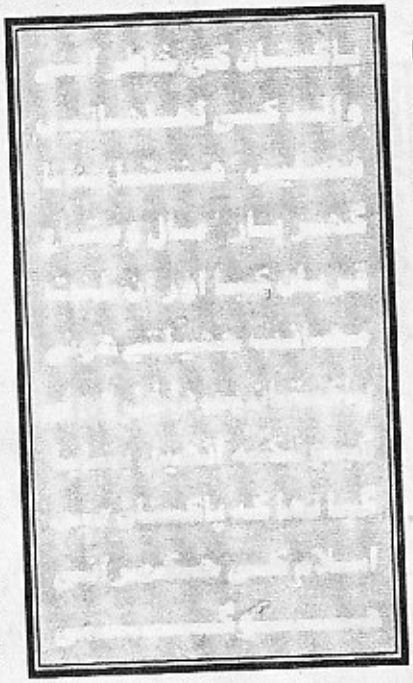

رہا تھا۔ اس لئے اپنی مالی حالت کے پیش نظر پیر سائیں سے ایک طرفہ طلاق لے لی۔

زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی۔ زمانے کے نشیب و فراز اور تیور نے ذہن کو تھوڑا پختہ کر دیا۔ اکثر دعا کرتا رہتا کہ یا اللہ اپنا پسندیدہ بندہ ملا دے۔ دنیا کو چاہنے والے تو بہت دیکھ چکا اب کوئی اللہ والا بھی دکھا دے ۱۹۸۵ء میں آرمی کی طرف سے Deputation پر تین سال کیلئے سعودی عرب کے شہر تبوک چلا گیا۔ تبوک میں اُس وقت پاکستان آرمی کی خاصی تعداد تھی۔ ہماری یونٹ کی مسجد میں سلسلہ عالیہ کا ایک ساتھی نماز مغرب کے بعد ذکر خفی کیا کرتا تھا۔ دل چاہا کہ اس بندے سے ذکر کے متعلق پوچھنا چاہئے۔ اُن کی فراغت کا انتظار مسجد ہی میں بیٹھ کر کیا اور اُن سے ذکر کے متعلق بات کی۔ وہ بات ہی عجیب تھی کہ ابھی تک چل رہی ہے اور اللہ کرے وہ بات چلتی رہے۔

اُن کی بات بڑی پسند آئی لہذا ذکر شروع کر دیا۔ پھر ایک دن بھائی عبدالستار نے مجھے ایسی خوشخبری سُنائی کہ جس کا مجھے کافی عرصہ سے انتظار تھا۔ کہنے لگے کہ میرے شیخ المکرم حضرت محمد اکرم اعوان صاحب عمرہ کی ادائیگی کیلئے مکہ شریف اور پھر مدینہ شریف تشریف لا رہے ہیں۔ اور وہ شیخ المکرم سے ملنے اگلے چند روز میں مکۃ المکرمہ جا رہے ہیں۔ میرا ارادہ پوچھا تو مجھے بھی اپنے جیسا پایا۔

دس یوم کی چھٹی مل گئی اور یوں ہم دونوں بذریعہ ہوائی جہاز اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ مکۃ المکرمہ پہنچ کر پتہ چلا کہ حضرت جی فلاں ہوٹل میں قیام پذیر ہیں۔ حضرت جی کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد ہوٹل میں ہی درس قرآن دیا کرتے تھے۔ تقریباً پچاس کے قریب ساتھی موجود تھے۔ ہم بھی درس میں شامل ہو گئے۔ درس کے بعد جناب کرنل مطلوب صاحب نے حضرت جی کا مختصر تعارف کرایا اور نئے

حاضرین سے بیعت کیلئے کہا۔ لوہا پہلے ہی گرم تھا اور چوٹ بھی صحیح نشان پر لگی لہذا دیگر چند ساتھیوں کے ہمراہ حضرت جی کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت جی نے بیعت فرمایا اور یوں ۱۸ فروری ۱۹۸۶ء کو خانہ کعبہ کے سائے تلے میں مجھے نسبت اویسیہ نصیب ہوئی۔

میری غفلتوں کی بھی کوئی حد نہیں
تیری بخششوں کی بھی حد نہیں
نہ میری خطا کا شمار ہے
نہ تیری عطا کا شمار ہے

اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوا اور حضرت جی کے ساتھ عمرہ کی سعادت تقریباً دو بار نصیب ہوئی اور پھر روضہ اطہر رسول اللہ ﷺ کی زیارت بھی حضرت جی کی معیت میں بارہا نصیب ہوئی اس طرح تقریباً دس دن حضرت جی کا ساتھ میسر رہا۔ حرمین شریفین میں قیام کے دوران حضرت جی ساتھیوں کو صبح وشام اپنی رہائش گاہ پر ذکر کروایا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حضرت جی نے قریب قریب تمام مشہور زیارتیں ساتھیوں کو اپنی معیت میں کروائیں۔ جنت البقیع کی زیارت اور غزوہ احد کی زیارت خصوصی دلچسپی کی حامل تھیں۔ اس طرح عشرہ بھر سلسلہ عالیہ کی برکات حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اسی دوران ماہنامہ المرشد کی تاحیات ممبرشپ حاصل کی جو کہ ابھی تک جاری وساری ہے ۱۹۸۸ء میں پاکستان واپسی ہوئی اور جہلم تعیناتی ہوئی۔ حالات نے کروٹ بدلی اور اپنی کوتاہ اندیشیوں کے سبب جہلم میں مرکزی حلقہ ذکر تلاش نہ کر سکا۔ انفرادی معمولات میں بھی سستی ہونے لگی ایک دن خیال آیا کہ اتنی بڑی نعمت کی ناشکری تو بہت ہی بدنصیب لوگ کیا کرتے ہیں۔ یہ ایسا

حرمین شریفین میں قیام کے دوران حضرت جی ساتھیوں کو صبح وشام اپنی رہائش گاہ پر ذکر کروایا کرتے تھے۔

خیال تھا کہ جس نے مجھے تھوڑا سا جھنجھوڑا اُسی وقت دار لعرفان خط لکھا اور اپنی تمام نالائقیوں اور غفلتوں کا ذکر کیا جواب حضرت حافظ عبدالرزاق صاحب کی طرف سے تھا لیکن بڑا جامع مگر مختصر جواب تھا

"سرائے عالمگیر جاؤ اور حافظ غلام قادری صاحب سے ملو"

جواب ملتے ہی خط جیب میں ڈالا۔ سرائے عالمگیر ملٹری کالج پہنچا اور مغرب کی نماز کالج کی مسجد میں ادا کی۔ نماز کے بعد قادری صاحب سے آمنا سامنا ہوا۔ اپنا تعارف کروایا اور جیب سے خط نکال کر قادری صاحب کے حوالے کیا۔ قادری صاحب نے کمال شفقت فرمائی شام کا ذکر کروایا اور جہلم میں مرکزی حلقہ ذکر بھی بتایا جو کہ اُس وقت ۲۶ بریگیڈ کی مسجد میں تھا۔ اور یوں جناب قادری صاحب نے میری کمزور ہوتی ہوئی ڈور کو کچھ اس طرح سے "پان" لگائی کہ ابھی تک اپنی بے شمار کوتاہیوں اور کمزوریوں کے ساتھ سلسلہ عالیہ اور الاخوان کے ساتھ وابستہ ہوں۔ اللہ کرے یہ وابستگی آخری دم تک قائم ودائم رہے۔ آمین

سلسلہ عالیہ اور الاخوان کی برکات کا احاطہ کرنا مجھ ناچیز کے بس کی بات نہیں ذکر الٰہی کی برکات کا ایک اپنا ہی مزا ہے۔ جس سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ تمام ساتھیوں کو خصوصاً نفاذِ اسلام کے سپاہیوں کو استقامت اور حوصلہ عطا فرمائے اور حضرت جی کے مشن کو کامیاب وکامران فرمائے۔ اللہ ہمیں نفاذِ اسلام کی خاطر قبول فرمائے اور اگر ہماری زندگی میں غزوۃ الہند کی ابتداء ہوتی ہے تو ہمیں حضرت جی کے ساتھ ہر اول دستہ میں منتخب فرمائے۔ آمین

ذکر وتوجہ

ذکر جب ہوتا ہے تو وہ خود ہی اپنا خیال کروا لیتا ہے بس ہو جائے یہی۔ جب تک توجہ اپنے بس میں رہے تب تک یہ پتہ چلتا ہے کہ ابھی ذکر خام ہے۔ جب ذکر میں پختگی آتی ہے تو پھر توجہ اپنے بس سے نکل جاتی ہے پھر اس طرف چلی جاتی ہے۔